اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر: ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۳ | رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ | اپریل ۲۰۲۲ء | شمارہ ۴

خیر الارشاد لحقوق العباد

بندوں کے حقوق (قسط اوّل)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے زر سالانہ =/۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

خیر الارشاد لحقوق العباد

(بندوں کے حقوق) (قسط اوّل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے خیر الارشاد لحقوق العباد اہتمام حقوق العباد کے متعلق یہ وعظ تحصیلدار صاحب جلال آباد ضلع مظفر نگر کے مکان پر ۲۴ جمادی الاول ۱۳۴۳ھ بروز شنبہ بوقت چاشت تخت پر کرسی رکھوا کر کرسی پر بیٹھ کر فرمایا جو ۳ گھنٹے پچاس منٹ میں ختم ہوا۔ ۵۰ کے قریب مرد اور عورتیں علاوہ موجود تھیں۔ علامہ مولانا ظفر احمد صاحب نے قلمبند فرمایا۔ اس وعظ میں حضرت رحمہ اللہ نے معاملات کی درستگی اور حقوق کی ادائیگی پر زور دیا اور تفصیل سے بیان کیا کہ کس کس کے کیا کیا حقوق ہمارے ذمہ واجب ہیں۔ اللہ پاک ہم سب کو حقوق کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔ امین

نوٹ: یہ کافی طویل وعظ ہے اس لیے دو اقساط میں شائع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

خلیل احمد تھانوی

۱۹/۱۲/۲۰۲۱

وعظ

خیر الارشاد لحقوق العباد

(بندوں کے حقوق) (قسط اوّل)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۷
۲	حضرت تھانویؒ کی عادت	۹
۳	مخاطبین کی رعایت	۱۰
۴	درستی معاملات کی ضرورت	۱۲
۵	تاکد حق کا سبب	۱۴
۶	تاکد حق کے دو سبب	۱۴
۷	امیر و غریب کا فرق	۱۵
۸	حقوق الخلق	۱۶
۹	بالذات و بالعرض کا تفاوت	۱۷
۱۰	بے زبانی کا اثر	۱۹
۱۱	حضرت تھانوی کا انداز تربیت	۲۰
۱۲	تبلیغ کے مختلف انداز	۲۱
۱۳	حقوق العباد کی فوقیت	۲۲
۱۴	حکایت	۲۳
۱۵	حق النفس	۲۵

۱۶.....	ایثار کے آثار.....	۲۶
۱۷.....	ایک اشکال اور اس کا جواب.....	۲۷
۱۸.....	ایثار کی حقیقت.....	۲۸
۱۹.....	بزرگوں کے طریقے.....	۳۲
۲۰.....	شوہر کی خاطر زینت اختیار کرنا.....	۳۳
۲۱.....	شاہ عبدالرحیم کا حال.....	۳۴
۲۲.....	عطائے علم عظیم.....	۳۵
۲۳.....	حق العبد کی فوقیت.....	۳۶
۲۴.....	حق العبد کی اقسام.....	۳۷
۲۵.....	حقوق العباد کی تین اقسام.....	۳۸
۲۶.....	بدعت وسنت.....	۳۹
۲۷.....	عنداللہ قابل نفرت لوگ.....	۴۲
۲۸.....	حکومت عادلہ کی مثال.....	۴۴
۲۹.....	وسعت اختیار کرنے کا اثر.....	۴۵
۳۰.....	زیادتی کی تلافی کی صورت.....	۲۷
۳۱.....	اخبار الجامعہ.....	۴۹

❁❁❁
❁

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد انّ سیدنا و مولانا محمدًا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اٰلہ و اصحابہ و بارک وسلم اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّمَا ٱلسَّبِيلُ عَلَى ٱلَّذِينَ يَظۡلِمُونَ ٱلنَّاسَ وَيَبۡغُونَ فِي ٱلۡأَرۡضِ بِغَيۡرِ ٱلۡحَقِّۚ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ أَلِيمٞ (۱)

پس الزام تو انہی لوگوں پر ہے جو آدمیوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین پر ناحق تکبر کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

تمہید

یہ ایک آیت ہے سورۂ شوریٰ کی اس میں حق تعالیٰ نے حقوق العباد کے متعلق ایک ضروری مضمون ارشاد فرمایا ہے جو سیاق وسباق کے لحاظ سے ایک خاص حق العباد کے متعلق وارد ہے۔ (کیونکہ اس سے اوپر یہ آیت ہے)

وَٱلَّذِينَ إِذَآ أَصَابَهُمُ ٱلۡبَغۡيُ هُمۡ يَنتَصِرُونَ ﴿٣٩﴾ وَجَزَٰٓؤُاْ سَيِّئَةٖ سَيِّئَةٞ مِّثۡلُهَاۖ فَمَنۡ عَفَا وَأَصۡلَحَ فَأَجۡرُهُۥ عَلَى ٱللَّهِۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٤٠﴾ وَلَمَنِ ٱنتَصَرَ بَعۡدَ ظُلۡمِهِۦ فَأُوْلَٰٓئِكَ مَا عَلَيۡهِم مِّن سَبِيلٍ ﴿٤١﴾ إِنَّمَا ٱلسَّبِيلُ عَلَى ٱلَّذِينَ يَظۡلِمُونَ ٱلنَّاسَ (۲) اور اس کے بعد یہ آیت ہے وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنۡ عَزۡمِ ٱلۡأُمُورِ اس ماقبل وما بعد

(۱) سورۃ الشوریٰ: ۴۲ (۲) سورۃ الشوریٰ: ۳۹ تا ۴۲

کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایت مذکورہ فی الوعظ میں ظلم سے مراد انتقام کے وقت ظلم کرنا ہے مگر الفاظ آیت خود عام ہیں نیز جب ظلم بوقت انتقام کی یہ حالت اور اس پر یہ وعید ہے تو ابتدائے کلام تو اس سے اشد ہے اس پر بدرجہ اولیٰ وعید ہے۔

مگر عموم الفاظ سے مطلقاً حق العباد کے متعلق بھی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ عبارۃ النص سے تو اس دلالت معنی مسوق لہ (۱) پر جو کہ ایک خاص حق العبد ہے اور اشارۃ النص (۲) سے مطلق حقوق العباد پر دلالت ہے۔ یعنی مطلق حقوق العباد پر اس کی دلالت اشارۃ ہے نہ کہ قصداً مگر دستِ خفی نہیں بلکہ صریح ہے اور اس کو میں نے اس لیے اختیار کیا ہے کہ جی یوں چاہا کرتا ہے کہ ہر موقع پر خواہ موقع زمانی ہو یا مکانی مضمون ضرورت کے موافق بیان ہو اور یوں تو شریعت کے بارے میں مضامین ہی ضروری ہیں مگر ان میں سے بھی جن کی شدید ضرورت ہو اسکا بیان کیا جائے اور یہ شدت ہماری غفلت اور بے التفاتی سے بڑھ جاتی ہے کہ ایک حکم ضروری العمل ہو اور اس سے غفلت اور بے التفاتی برتی جارہی ہو چنانچہ اس وقت میرے خیال میں اس جگہ حقوق العباد کے متعلق بیان کی ضرورت ہے بلکہ جب مجھ سے کئی ہفتے پہلے بیان کے لیے کہا گیا تھا تو اسی وقت دل میں یہ بات یاد آئی کہ اس جگہ حقوق العباد کے متعلق بیان کی ضرورت ہے مگر اس وقت باحتمال (۳) بارش کے یہاں آنے کی ہمت نہ ہوئی اور میں نے کہہ دیا تھا کہ جس دن بادل نہ ہو اس دن چلوں گا چنانچہ اس جمعہ کو جو مجھ سے تاریخ پوچھی گئی تو میں نے پیر کا دن اسی شرط کے ساتھ معین کر دیا تھا گو آج بھی بادل گھرا ہوا تھا (۴)۔ اور ہمت آنے کی نہ ہوتی تھی مگر جب سواری آ گئی تو میں نے بار بار سواری کو واپس کرنا گوارا نہ کیا اور خدا کے نام پر چلا اور بحمد اللہ بادل کے وقت گئے تھے اور کھلے میں واپس آئے لوٹتے

(۱) قرآن کریم کی اس عبارت النص سے دلالت ان معنی پر ہو رہی ہے جس کے لیے یہ کلام لایا گیا (۲) اور اس آیت سے اشارۃ مطلق حقوق العباد پر دلالت ہے (۳) بارش ہونے کا امکان ہونے کی وجہ سے (۴) اس وقت بھی جبکہ میں یہ مقام لکھ رہا ہوں اتفاق سے بادل گھرا ہوا ہے اور بارش کی ضرورت ہے حق تعالیٰ شانہ امن وعافیت ورحمت کی بارش نازل فرمائیں۔ ۱۲ ظ۔

وقت بادل نہ رہا تو اس مضمون کا خیال مجھے درخواست کے ساتھ ہی آ گیا تھا چنانچہ آج اس کو بیان کرنے کا موقع ملا ہے تو بیان کرتا ہوں اور شروع ہی سے میں نے اطلاع بھی کردی کہ میں یہ بیان کروں گا۔

حضرت تھانویؒ کی عادت

میری عادت ہے کہ جس مضمون کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ میں اس کو پہلے ہی صاف صاف کہہ دیتا ہوں تا کہ روح بیان اور خلاصہ کے علم سے باقی مضمون سہولت سے سمجھ میں آجاوے۔ نیز اس میں چونکہ تفصیل بعد الاجمال ہوتی ہے اس لیے وہ اوقع فی النفس(۱) بھی ہوتی ہے، بخلاف عام مقرروں کے کہ ان میں بعض دفعہ بیان کرنے والا مقصود کو توطیہ وتمہید(۲) کے بعد ادا کرتا ہے اور اس میں بھی ایک حکمت ہے وہ یہ کہ اس میں دیر تک سامعین کو مضمون مقصود کا اشتیاق ہے اشتیاق کے بعد جو بات معلوم ہوتی ہے اس کی وقعت ہوتی ہے اور دوسرے یہ بھی حکمت ہے کہ اگر وہ مضمون ایسا ہو جس سے طبائع پر گرانی ہوتی ہو تو پہلے ہی سے اس مضمون کو سن کر لوگوں پر گرانی نہ ہو اور بعض سامعین اٹھ اٹھ کر نہ چل دیں جیسا کہ چندہ کے متعلق بیان کرنے والے پہلے ہی سے یہ نہیں کہتے کہ آج چندہ کا بیان ہوگا بلکہ اول مذہب کے حقوق اور علم کے فضائل بیان کرتے ہیں۔ پھر یہ کہتے ہیں کہ حفاظت اسلام کی بہتر صورت مدارس کا قیام ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ ان کا قیام سب مسلمانوں کی توجہ وہمت سے ہوسکتا ہے اب چندہ کی ترغیب دیتے ہیں مگر میں ایسا نہیں کرتا، اول تو میں چندہ کے متعلق بیان ہی نہیں کرتا اور اگر کبھی کرتا ہوں تو اول ہی کہہ دیتا ہوں کہ آج چندہ کا بیان ہوگا جس کا جی چاہے بیٹھے اور جس کا جی نہ چاہے اٹھ کر چلا جائے۔ میں چندہ کے مضمون کو توطیہ وتمہید کے بعد اس لیے نہیں کہتا کہ اس سے سننے والوں کو دھوکہ ہوتا ہے کیونکہ وہ تو یہ سمجھ کر بیٹھتے ہیں کہ ہم سے کچھ مانگا نہ جائے اور جب اخیر میں ان سے چندہ کو کہا گیا تو بعض کو ناگوار ہوتا ہے اور وہ اپنے دل میں کہتے ہیں کہ ہم کو پہلے سے یہ معلوم ہوتا کہ اخیر میں ہم سے چندہ مانگا جائے گا

(۱) دل میں جم جاتا ہے (۲) ابتدائیہ اور تمہید۔

تو ہم اتنی دیر تک اپنا وقت ضائع نہ کرتے۔ دوسرے اس طرز سے تمہیدی مضامین کی ساری وقعت سامعین کے دل سے نکل جاتی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بس یہ سارا زور وشور اس لیے تھا کہ ہمیں چندہ دو۔ سو میں مسلمانوں کو دھوکا نہیں دینا چاہتا اور نہ احکام علوم شرعیہ کی وقعت کھونا چاہتا ہوں۔ جس مضمون کے متعلق مجھے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس میں بعض سامعین پر گرانی ہوگی میں پہلے اس کو ظاہر کر دیتا ہوں اس کے بعد جو کوئی بیٹھے گا اور مجھ پر اس کے بیٹھے رہنے کا کچھ احساس نہ ہوگا اور نہ وہ میرے اجمال وابہام کی وجہ سے بندھے گا ان وجوہ سے میں ابہام کو پسند نہیں کرتا اور اگر کسی کو توطیہ وتمہید سے صرف دفع وحشت عن المضمون (۱) مقصود ہو اور کوئی نیت نہ ہو تو تمہید کے بعد مقصود کے بیان کرنے کا بھی مضائقہ نہیں کیونکہ دفع وحشت سامع بھی مطلوب ہے مگر جہاں تک میں دیکھتا ہوں اس پیشہ والوں کی نیت توطیہ وتمہید سے یہ نہیں ہوتی کہ سامعین کی وحشت مضمون سے دفع ہو بلکہ زیادہ تر اپنی مصلحت مدنظر رکھتے ہیں کہ کہیں لوگوں کو ہم سے وحشت نہ ہو جائے اس لیے وہ چندہ کے مضمون کو ایسی رنگ آمیزی اور تمہید کے بعد زبان پر لاتے ہیں کہ لوگوں کو ان حضرت واعظ سے وحشت نہ ہو۔

مخاطبین کی رعایت

مگر میں اسے خیانت سمجھتا ہوں کہ واعظ اپنے مصالح کا لحاظ کر کے وعظ کہے اس کو مخاطبین کی مصلحت کا لحاظ کرنا چاہیے۔ ان کی اصلاح کس طرز میں زیادہ ہے چاہے اپنی مصلحت رہے یا جائے مجھ کو تو اس سے غیرت آتی ہے کہ اپنی مصالح کا لحاظ کر کے بیان کروں۔

ایک بار میں جودھ پور گیا اور مجھ سے اہل شہر نے وعظ کی درخواست کی تو ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ وعظ میں امام ابوحنیفہ کے فضائل زیادہ بیان کیجئے گا کیونکہ یہاں کے لوگ آپ کو اور آپ کی جماعت کو ضعیف فی الحنفیہ (۲) سمجھتے ہیں۔ (یعنی غیر مقلدی کی

(۱) مذکور ہونے والے مضمون سے وحشت دور کرنا مقصود ہو (۲) حنفی مذہب میں کمزور سمجھتے ہیں۔

طرف مائل سمجھتے ہیں) میں نے کہا کہ اب تو میں ہرگز یہ مضمون بیان نہیں کروں گا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ میں لوگوں کو اپنا معتقد بنانے کے لیے وعظ کہوں کہ بھائیو! ہمیں حنفیت میں ضعیف (۱) نہ سمجھو کیونکہ دیکھو ہم امام صاحب کے ایسے معتقد ہیں تو یہ تو محض اپنی مصلحت ہوئی، سامعین کی اس میں کیا مصلحت ہوئی۔ البتہ اگر سامعین میں کوئی امام صاحب سے غیر معتقد ہوتا تو اس صورت میں امام صاحب کے فضائل بیان کرنے میں بیشک مخاطبین کی مصلحت تھی کہ ایک امام صاحب کے ساتھ بدگمانی کرنے سے لوگوں کو رکاوٹ ہو جاتی۔ مگر جب سامعین میں امام صاحب سے غیر معتقد کوئی نہیں تو اب مضمون ان کی مصلحت سے نہ ہوا بلکہ اس میں محض اپنی مصلحت رہ گئی اور مجھ کو اس سے غیرت آتی ہے کہ لوگوں کو اپنا معتقد بنانے کے لیے کوئی مضمون بیان کروں۔ چنانچہ میں نے یہ مضمون (فضائل امام کو) نہیں بیان کیا بلکہ میرے نزدیک سامعین کی اصلاح کے لیے جس مضمون کی ضرورت تھی وہ بیان کیا اور شروع میں یہ بھی کہہ دیا کہ بعض خیر خواہوں کی یہ رائے تھی کہ آج فضائل امام ابوحنیفہ بیان کیے جائیں اور اس میں مصلحت یہ بتلائی گئی کہ مجھے یہاں پر بعض لوگ ضعیف فی الحنفیہ سمجھتے ہیں تو ان کے اس خیال کی اصلاح ہوجائے۔ مگر میں اس کو گوارہ نہیں کرتا کہ اپنی نصرت و مصلحت کے لیے مریضوں کی مصلحت کو فوت کروں۔ فضائل امام کے بیان سے آپ لوگوں کو کچھ نفع نہ ہوگا کیونکہ آپ میں امام صاحب سے غیر معتقد کوئی نہیں۔ ہاں بظاہر میرا ایک نفع تھا سو میں اپنے نفع کے واسطے بیان کرنا نہیں چاہتا، وہ طبیب طبیب نہیں جو نسخہ لکھتے ہوئے اپنی مصالح کی رعایت کرے (مثلاً ایسی دوائیں دے جو اس کے پاس ملتی ہوں) اور مریض کی مصالح کو نظر انداز کردے۔ اس لیے میں اس مضمون کو چھوڑ کر وہ مضمون اختیار کرتا ہوں جو آپ کے لیے نافع ہے اور جو کچھ بیان کروں گا قرآن وحدیث سے بیان کروں گا جس پر ہر مسلمان عمل کرنے کا طالب ہے اس لیے آپ مضمون پر نظر رکھیں اس کو نہ دیکھیں کہ بیان کرنے والا کیسا ہے میرے اندر ہزاروں عیب سہی لیکن ان شاءاللہ تعالیٰ

(۱) حنفی مذہب کے ماننے میں کمزور نہ سمجھو۔

آپکو وہی راستہ بتلاؤ گا جو آپ کے واسطے نافع ہے اور اس کو نافع میرے ہی کہنے سے نہ سمجھو، خالی الذہن ہوکر سن لو پھر خود غور کرو جس سے عقیدت ہو اس سے تحقیق کرلو۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی غلطی ہوگی، معذور ہوں اس کے بعد پھر جو بیان ہوا تو سامعین پر بہت بڑا اثر ہوا۔ تجربہ یہ ہے کہ جب مخاطبین کی مصلحت کا لحاظ کرکے بیان کیا جائے گا تو اس کا بہت اثر ہوگا۔ اس لیے میں ہمیشہ مخاطبین کی مصلحت وضرورت کا لحاظ رکھتا ہوں اور خلاف ضرورت بیان نہیں کرتا اس لیے میں نے اس وقت یہ مضمون ''حقوق العباد'' کا اختیار کیا ہے۔ کیونکہ میرے خیال میں اس مقام پر یہ سامعین کی مصلحت وضرورت کا مضمون ہے شاید کسی کو یہ خیال ہوا ہوگا کہ یہ تو پھیکا مضمون ہوگا تو صاحب! بیان تو علاج ہے اور علاج دوا میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ دوا پھیکی ہے یا میٹھی بلکہ ضرورت اور نفع کو دیکھا جاتا ہے اگر کوئی دوا پھیکی ہی ہو یا اس سے بڑھ کر کڑوی ہی ہو مگر ضرورت کے موافق ہو کہ اس سے زیادہ نافع کوئی دوا نہ ہو تو بتلایئے اس کو ترجیح ہوگی یا اس میٹھی دوا کو جو نہ ضرورت کے موافق ہے نہ زیادہ نافع ہے اس لیے اس کو مت دیکھو کہ یہ مضمون پھیکا ہے، جوشیلا بلکہ اس کو دیکھئے کہ یہ آپ کی ضرورت کا ہے بھی یا نہیں۔

درستی معاملات کی ضرورت

سو ضرورت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ دیندار لوگ بھی عبادات میں تو فرائض وواجبات بلکہ مستحبات تک کا اہتمام کرتے ہیں۔ یعنی جو لوگ کام کرنے والے ہیں اگرچہ بعض ایسے بھی ہیں کہ سب ہی اعمال میں کوتاہی کرتے ہیں مگر جو کام کرنے والے ہیں وہ عبادات میں تو فرائض وواجبات کے لیے بھی کوشش کرتے ہیں، مستحبات کی بھی پابندی کرتے ہیں۔ درود شریف اور تسبیحات حتی کہ دلائل الخیرات اور وظائف تک کا اہتمام کرتے ہیں اور گو یہ دلائل وحزب (۱) برکت کی چیزیں ہیں اور ان میں ثواب بھی ہے مگر دلائل الخیرات اور حزب البحر وغیرہ یہ جتنے وظائف آج کل معمول بہا ہیں (۲) حدیث کے اوراد کے برابر ہرگز نہیں، غرض بعض لوگ ان زوائد کے پابند ہیں مگر حقوق العباد کا

(۱) دلائل الخیرات اور حزب البحر تک پڑھتے رہتے ہیں (۲) جن کا لوگوں نے آج کل، معمول بنایا ہوا ہے

ان کو بھی خیال نہیں بس آج کل لوگوں نے محض نوافل اور تسبیحات پڑھنے کو دینداری سمجھ لیا ہے حالانکہ اصل دینداری معاملات سے معلوم ہوتی ہے چنانچہ سلف (۱) کے نزدیک دینداری کا معیار زیادہ تر معاملات ہی تھے۔ صرف نماز، روزہ کرتے ہوئے دیکھ کر کسی کے دیندار ہونے کا حکم نہ لگاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں مدعی کے پاس دو گواہ تھے۔ ایک گواہ کی عدالت تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم تھی، دوسرے گواہ کی عدالت کا انہیں علم نہ تھا تو آپ نے حاضرین سے دریافت فرمایا کہ اس گواہ کی عدالت کے متعلق تم میں سے کوئی گواہی دیتا ہے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ میں اس کے عادل ہونے پر گواہی دیتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ تجھ کو اس کا عادل ہونا کیسے معلوم ہوا۔

ھل جاورتہ ام صحبت معہ فی السفر الذی یسفر عن الحقیقۃ ام عقدت معہ عقدا ''کیا تو اس کے پڑوس میں کبھی رہا ہے یا سفر میں کبھی تیرا اور اس کا ساتھ ہوا ہے جس سے انسان کی مخفی حقیقت ظاہر ہوتی ہے یا تو نے اس کے ساتھ کوئی معاملہ بیع وشراء کیا ہے، اس نے کہا نہیں'' قال فلعلک رائتہ خار جامن المسجد بعد الصلوۃ ''فرمایا تو شاید تم نے اس کو نماز پڑھ کر مسجد سے نکلتا ہوا دیکھ لیا ہوگا، اس نے کہا جی ہاں'' فرمایا فانت لا تعرف (تم اس کو نہیں پہنچانتے)۔

محض اتنی بات سے کسی کا دیندار اور عادل ہونا نہیں ہوسکتا۔ تو دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محض نماز اور تسبیحات کو دینداری کے لیے کافی نہیں سمجھا بلکہ اس کے ساتھ معاملات کی درستی کو بھی ضروری سمجھا۔ مگر آج کل ہم لوگوں نے اس کو دین سے بالکل خارج سمجھ رکھا ہے حالانکہ یہ دین کا ایسا جزو ہے کہ اس کے بدوں آدمی گواہی دینے کے قابل نہیں ہوتا۔ اس سے آپ کو اس مضمون کی ضرورت معلوم ہوگئی ہوگی کیونکہ جس بات سے اتنی غفلت ہو کہ باوجود ضرورت کے لوگ اس کو ضروری نہ سمجھتے ہوں وہ بہت زیادہ اہتمام کے قابل ہوگا۔ اس لیے غور سے اس مضمون کو سننا چاہیے گو اس میں لطف نہ آئے۔

(۱) بزرگوں کے نزدیک۔

تاکدحق کا سبب

وہ مضمون یہ ہے کہ ہم لوگوں نے ''حقوق العباد'' کو بالکل ہی پس پشت ڈال رکھا ہے اور اس مرض کا ایک سبب ہے۔ پہلے اس کو معلوم کر لینا چاہیے اور سبب کے علم سے ایک گونہ ان لوگوں کا عذر بھی معلوم ہو جائے گا جن کی میں شکایت کر رہا ہوں اور عذر کے بعد ان کا جرم بھی ہلکا ہو جائے گا۔ گو ان لوگوں کو اپنا عذر بھی معلوم نہیں مگر میں تبرعاً خود ان کا عذر بتلائے دیتا ہوں کیونکہ عذر کا جواب دے دینے سے پھر حجت تام ہو جاتی ہے اس لیے میں اتمام حجت کے لیے ان کا عذر بیان کر کے ان کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ دوسرے سببِ مرض کے جاننے سے مرض کا ازالہ بھی سہل(۱) ہو جائے گا کیونکہ انماالاصلاح تبدیل المزاج(۲)۔

اصلاح کا طریقہ یہی ہے کہ مریض کے مزاج کو بدل دیا جائے جس کی حقیقت یہ ہے کہ جو بھی سبب ہے اس کے مرض کا اس کو زائل کر دیا جائے تو سنئے۔

تاکدحق کے دو سبب

تاکدحق(۳) کے دو سبب ہوتے ہیں۔ کبھی تو عظمت حق کی وجہ سے حق کا تاکد ہوتا ہے(۴) اور کبھی حاجت کی وجہ سے۔ عظمت حق کی وجہ سے حق کا موکد ہونا تو ایسا ہے جیسے باپ کسی کام کو کہے کہ یہ کر اور پڑوسی کہے کہ مت کر۔ یہاں عقلاً اور شرعاً باپ کی اطاعت واجب ہے کیونکہ اس کی عظمت پڑوسی کی عظمت سے زیادہ ہے اس لیے پڑوسی کی بات پر عمل نہ کیا جائے گا بلکہ باپ کی بات پر عمل کیا جائے گا خواہ اس کام میں باپ کا ذاتی نفع بھی نہ ہو۔ جیسے باپ کہے کہ میرا بدن دبا اور پڑوسی کہے کہ میرا بدن دبا، تو بتلایئے اس صورت میں پڑوسی کا حق زیادہ ہوتا یا باپ کا۔ سب عقلاء یہاں متفق ہیں کہ باپ کا حق زیادہ ہے اور حاجت کی وجہ سے تاکد کی مثال یہ ہے، جیسے ایک سائل آ کر آپ سے روپیہ مانگے کہ مجھے ایک روپیہ دیدو، میں برف کی قلفیاں کھاؤں گا (جیسا کہ

(۱) مرض کا دور کرنا بھی آسان ہو جائے گا (۲) ''بے شک اصلاح مزاج بدل جاتا ہے'' (۳) حق لازم ہونے کی دو سبب ہوتے ہیں (۴) اس کی عظمت کی وجہ سے اس کے حق کو لازم سمجھا جاتا ہے۔

بعض بھنگڑ رئیسوں سے ایسی فرمائش کیا کرتے ہیں اور وہ ان کو مجذوب سمجھ کر سب کچھ کھلاتے ہیں۔ ۱۲) اور ایک سائل آ کر یہ کہے کہ مجھے ایک روپیہ دیدو، میرے یہاں آٹھ دن کا فاقہ ہے، بچے بھوکے تڑپ رہے ہیں، بتلایئے اس صورت میں کس کا حق زیادہ ہے، آیا اس شخص کا جو برف کی قلفیاں کھانے کو مانگتا ہے، یا اس غریب کا جس کے یہاں آٹھ دنوں کا فاقہ ہے۔ یقیناً اس غریب فاقہ زدہ کا حق زیادہ ہے۔ ایسے ہی ایک رئیس کے یہاں شادی ہو جس میں سو روپیہ نیوتہ(۱) دینے کے لیے آپ لے جا رہے ہیں حالانکہ اس کو آپ کے سو روپیہ کی کچھ بھی ضرورت نہیں اور اس وقت ایک غریب آدمی پر جو شریف خاندان کا ہے کوئی مقدمہ قائم ہو گیا جس میں ضمانت نہ داخل کی گئی تو اس شریف آدمی کی آبرو جاتی رہے گی تو بتلایئے اس وقت نیوتہ میں امیر کو سو روپیہ دینا چاہیے جس کو اس کی کچھ بھی پرواہ نہیں یا اس غریب کی آبرو بچانی چاہیے تو جس کو حس ہوگا وہ سمجھے گا کہ اس صورت میں روپیہ دینے سے زیادہ ضروری اس غریب کی آبرو کو بچانا ہے۔ یہاں بھی حاجت کی وجہ سے حق کا تاکد ہو گیا۔ غرض آپ دنیا کے معاملات میں غور کر لیں تو معلوم ہوگا کہ تاکد حق کا سبب کبھی عظمت ہے، کبھی حاجت۔ مگر دین کے بارے میں اس قاعدہ پر کوئی بھی خیال نہیں کرتا۔ یہاں سب لوگوں نے تاکد حق (۲) کو صرف عظمت میں منحصر کر لیا ہے جس کی عظمت قلب میں ہے۔ اسی کے حقوق ادا کرتے ہیں، حاجت کو تاکد حق کا سبب نہیں سمجھتے اور اگر حاجت کی وجہ سے کسی کا حق ادا بھی کرتے ہیں تو وہ بھی جبکہ اپنے ملنے والوں میں کسی امیر کو حاجت پیش آ جاوے۔

امیر و غریب کا فرق

بھائی غریب کی حاجت تو کوئی چیز نہیں کیونکہ آج کل غریب ہونا بھی ایک جرم ہے۔ خصوصاً اس چودھویں صدی میں۔ چنانچہ ایک شخص کہتے تھے کہ آج کل غریبوں کی ایسی حقارت ہے کہ کسی امیر کی ریح (۳) صادر ہو جائے تو تبارک سلامت ہوتی ہے کہ صحت ہوئی اور غریب کی ریح صادر ہو (۴) تو کہا جاتا ہے کہ دماغ سڑا دیا اور اس سے

(۱) شادی وغیرہ میں بدلہ کی نیت سے ہدیۃ میں رقم دینا (۲) حق کی اہمیت کو صرف عظمت کی وجہ سے سمجھا ہے (۳) ہوا نکل جائے یعنی پاد نکل جائے (۴) ہوا خارج ہو۔

بڑھ کر یہ کہ غریبوں کی روح کی بھی وہ قیمت نہیں جو امیروں کی ریح کی ہے۔ چنانچہ غریب کے مرنے کا لوگوں کو اتنا رنج نہیں ہوتا جتنا کسی امیر کی ریح بند ہوجانے کا ہوتا ہے۔

کسی شہر میں ایک بیگم صاحبہ نے اپنے محلّہ میں سے کسی کے رونے، چلانے کی آواز سنی تو ماما سے کہا دیکھنا کیا بات ہے۔ اس نے کہا محلّہ میں فلاں غریب آدمی مرگیا ہے اس کے بیوی بچے رو رہے ہیں تو بیگم صاحبہ کہتی ہیں کہ اوئی میں تو سمجھی کہ کوئی آدمی بیمار ہوگیا ہے (یعنی کوئی رئیس) گویا ان کے نزدیک وہ غریب تو آدمی ہی نہ تھا غرباء تو ان کے نزدیک گدھے ہی ہیں بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ امیروں کے بیمار ہونے سے بھی رنج ہوتا ہے اور غریبوں کے مرنے کی بھی پرواہ نہیں۔ (یہی وجہ ہے کہ امیروں کو زکام بھی ہوجائے تو سو آدمی ان کی عیادت کو آتے ہیں اور کوئی غریب مرجاوے تو اس کی بیوی بچوں کی تعزیت کو بھی کوئی نہیں جاتا، الاقلیل)(۱) اور بعض لوگ تھوڑے سے غریبوں کی بھی کچھ ہمدردی کرتے ہیں، بشرطیکہ مسلمان ہو اور اگر مسلمان نہ ہو بلکہ ہندو ہو جیسے چمار، بھنگی تو اس کے حقوق تو سمجھتے ہی نہیں وہ تو گویا بہائم (۲) ہیں کہ جو چاہا انہیں کہہ دیا اور جس طرح چاہا مار پیٹ لیا۔

حقوق الخلق

صاحبو! اس وقت کیا ہوگا جبکہ یہ ثابت ہوجائے کہ بہائم کے بھی حقوق ہیں۔ میرا ارادہ ہوا تھا کہ اس وقت حقوق العباد کے بجائے حقوق الخلق بیان کروں جس میں تمام مخلوق کے حقوق کا بیان ہوجائے، کافروں کے بھی اور جانوروں کے بھی، مگر سارا قاعدہ بغدادی آج ہی کیونکر ختم کرادوں! اس لیے میں حقوق بہائم کی تفصیل کرنا نہیں چاہتا مگر اجمالاً کہے دیتا ہوں کہ شریعت میں جانوروں کے بھی حقوق ہیں تو انسانوں کے حقوق کیوں نہ ہوں گے جن کو آپ جانور سمجھتے ہیں پس خوب سمجھ لو کہ غریب اگر کافر بھی ہو اس کے بھی حقوق ہیں ایسے ہی اگر کوئی مسلمان فاسق وفاجر ہو تو اس کے بھی حقوق ہیں، گناہ کرنے سے یا کفر کرنے سے وہ وقف نہیں ہوگیا کہ آپ جو چاہیں اس کے ساتھ معاملہ کریں۔ ایک بزرگ نے کسی شخص کو حجاج بن یوسف کی غیبت کرتے ہوئے

(۱) بہت کم لوگ جاتے ہیں (۲) جانور۔

دیکھا تھا۔ تو فرمایا کہ جس طرح حق تعالیٰ حجاج سے ان لوگوں کا بدلہ لے گا جن پر اس نے ظلم کیا تھا، ایسے ہی حجاج کا بدلہ ان لوگوں سے لے گا جنہوں نے اس کی غیبت وغیرہ کی ہوگی۔ حجاج خدا کی نافرمانی کرکے سب کے لیے وقف نہیں ہوگیا کہ جو بھی چاہے اس کو برا بھلا کہے۔ سبحان اللہ! ایسا کون سا قانون ہے جس میں باغیوں کے بھی حقوق ہیں، یہ خدا ہی کا قانون ہے، جس میں باغیوں تک کے حقوق ہیں۔ چنانچہ بیٹے کو جائز نہیں کہ وہ جہاد میں اپنے کافر باپ کو قتل کرے، گو وہ خدا کا باغی ہے مگر حق تعالیٰ نے بیٹے پر اس کا یہ حق رکھا، غرض ہم لوگوں نے تاکد حق کا سبب محض عظمت کو سمجھ لیا ہے اور یہ مرض دینداروں میں بھی ہے کہ وہ بھی اہل عظمت (۱) ہی کے حقوق کو زیادہ ادا کرتے ہیں۔ میں نے ایک دفعہ دیوبند کے مدرسے میں طلبہ سے کہا تھا کہ تم لوگ اساتذہ کی عظمت نہیں کرتے نہ ان کے حقوق کی رعایت کرتے ہو۔ پھر میں نے کہا شاید آپ اپنے دل میں کہتے ہوں کہ ہم تو حضرت مولانا محمود حسن صاحب کی بہت عظمت کرتے ہیں اور ان کی خدمت بھی کرتے ہیں تو ذرا دل میں خیال کرلو کہ مولانا کی یہ عظمت وخدمت محض استاد ہونے کی وجہ سے ہے یا ان کی شہرت وعظمت کی وجہ سے ہے۔ ظاہر ہے کہ محض حق استادی کی وجہ سے تم مولانا کی عظمت نہیں کرتے ورنہ اس کی کیا وجہ کہ اور استادوں کی عظمت ووقعت نہیں کی جاتی، آخر وہ بھی تو استاد ہیں۔ معلوم ہوا کہ مولانا کی عظمت بوجہ شہرت کے کرتے ہو کہ وہ سب سے زیادہ بزرگی وغیرہ میں مشہور ہیں تو جب اہل علم میں بھی یہ مرض ہے کہ وہ مشاہیر اہل عظمت ہی کے حقوق ادا کرتے ہیں پھر دوسروں کا تو کیا کہنا۔

بالذات وبالعرض کا تفاوت

غرض اس غلطی میں قریب قریب سب ہی مبتلا ہیں کہ لوگوں نے تاکد حق کے مدار کو عظمت (۲) ہی میں منحصر سمجھ لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقوق اللہ کی تو کچھ رعایت کی بھی جاتی ہے اور حقوق العباد کی رعایت بالکل نہیں کی جاتی کیونکہ عظمت کے لحاظ سے بندہ خدا کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ حق تعالیٰ کی وہ عظمت ہے کہ اسکے سامنے بندہ ''من

(۱) بڑے لوگوں کے ہی (۲) لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جو بڑا ہے بس اسی کا حق۔

حیث ھو''(۱) بندہ کچھ عظمت نہیں رکھتا، بندہ چاہے کیسا ہی عظیم ہو حق تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اس کی عظمت مٹ جاتی ہے جیسے آفتاب کے سامنے چاند اور ستاروں کی روشنی مٹ جاتی ہے۔ حالانکہ اس وقت آفتاب پر بادل بھی آرہا ہے مگر چاند ستاروں کے مٹانے کے لیے وہ اب بھی کافی ہے۔

چو سلطان عزت علم برکشد　　جہاں سر بجیب عدم درکشد(۲)

دیکھئے جگنو رات کو تو چمکتا ہے۔ مگر دن کو نہیں چمکتا۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ تو دن میں کہاں رہتا ہے جو نظر نہیں آتا۔ کہا میں تو دن میں اسی جگہ رہتا ہوں جہاں رات کو ہوتا ہوں، مگر دن میں آفتاب کے سامنے چمک نہیں سکتا۔ شیخ سعدی اسی کو فرماتے ہیں۔

مگر دیدہ باشی کہ درباغ وراغ　　بتا بدہی کر مکے چوں چراغ
کسے گفتش اے کرمک شب فروز　　چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز
نہ بینی کہ آں کرمک پاک زاد　　جواب از سر روشنائی چہ داد
کہ من روز وشب جزا بصحرا نیم　　ولے پیش خورشید پیدا نیم(۳)

اسی لیے حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں فَإِنَّ ٱلْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا کہ عزت وعظمت بتامہا(۴) حق تعالیٰ کے لیے ہے اس کی عظمت کے سامنے کسی کی کچھ عظمت نہیں۔ کسی کو یہ شبہ ہو کہ دوسری جگہ تو حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ: وَلِلَّهِ ٱلْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِۦ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (۵) ''کہ عزت اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے اور مؤمنین کے لیے'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کے لیے بھی عزت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں عزت بالذات کا ذکر ہے اور دوسری جگہ عام ہے، بالذات اور بالواسطہ کو پس حاصل یہ ہوا کہ عزت بالذات تو بتامہا اللہ ہی کے لیے ہے اور عزت بالواسطہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) بندہ ہونے کی حیثیت سے (۲) ''جب محبوب حقیقی کی تجلی قلب پر وارد ہوتی ہے سب چیزیں فنا ہوجاتی ہیں'' (۳) شاید تم نے دیکھا ہوگا کہ باغ وصحرا میں رات کے وقت جگنو مثل چراغ کے چمکتا ہے تو اس سے کسی نے پوچھا تو دن میں کیوں نہیں نکلتا، دیکھو اس خاک نما کیڑے نے کیسا بصیرت افروز جواب دیا کہ میں رات دن یہیں صحراء میں رہتا ہوں مگر آفتاب کے سامنے گم ہوجاتا ہوں'' (۴) ساری کی ساری (۵) سورۃ المنافقون: ۸۔

اور مؤمنین کے لیے بھی ہے۔غرض بالذات اور بالعرض کا فرق ہے۔ بالذات کے درجہ میں سوائے حق تعالیٰ کے کسی کے لیے بھی عظمت نہیں۔انسان چاہے کتنا ہی بڑا عظیم ہو اس کی عزت بالذات نہیں بلکہ بالعرض ہے جو کہ عظمت الٰہی کے سامنے سلب ہوجاتی ہے۔یہی تو وہ بات ہے جس کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرما تھا جس پر آج اعتراض ہورہے ہیں، انہوں نے بھی وہی کہا جو فَإِنَّ ٱلۡعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعٗا سے مفہوم ہورہا ہے۔اتنا فرق ہے کہ حق تعالیٰ نے:فَإِنَّ ٱلۡعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعٗا (۱)

عربی میں فرمایا اور مولانا شہید نے اس مضمون کو اردو میں کہہ دیا ہے۔ باقی بات ایک ہی ہے، زبان بدلنے سے حکم نہیں بدل جاتا، زبان تو وہ چیز ہے کہ حق تعالیٰ کے یہاں اس کا کچھ بھی اعتبار نہیں ان کی نظر تو حقیقت پر رہتی ہے اور یہی حال اہل اللہ کا ہے۔

بے زبانی کا اثر

ہمارے حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے پاس ایک رومی شیخ آئے تھے۔ اس وقت حاجی صاحب مثنوی کا درس دے رہے تھے اور حاجی صاحب کی عادت تھی کہ تقریر اردو میں فرمایا کرتے تھے۔گو حضرت کو فارسی پر بھی پوری قدرت تھی اور وہ شیخ فارسی سمجھ بھی لیتے مگر بے تکلف زبان اردو ہی تھی اس لیے اپنی ہی زبان میں تقریر فرمارہے تھے مگر بایں ہمہ وہ رومی درس سے محظوظ ہورہے تھے، حالانکہ وہ اردو بالکل نہ سمجھتے تھے۔ درس کے وقت کسی خادم نے حضرت سے عرض کیا کہ اگر یہ اردو سمجھتے تو انہیں کتنا لطف آتا جو بغیر سمجھے بھی اس قدر محظوظ ہورہے تھے۔حاجی صاحب نے فرمایا میاں! ان مضامین کے لیے اس زبان کی قید نہیں وہاں تو کوئی دوسری ہی زبان ہے۔ پھر مولانا کے یہ شعر پڑھے۔

پارسی گو گوچہ تازی خوشتر است ‏ عشق را خود صد زبان دیگر است
بوئے آں دلبر چو پرّاں می شود ‏ ایں زبانہا جملہ حیراں می شود(۲)

(۱)''بے شک عزت وعظمت بتمامہا حق تعالیٰ کے لیے ہے''(۲)''فارسی میں کہو اگر چہ عربی بہتر ہے، عشق کی خود سینکڑوں زبانیں دوسری ہیں، اس دیر کی یو جب اڑتی ہے یہ تمام زبانیں حیران ہوتی ہیں''۔

بلکہ بعض اوقات بے زبانی میں وہ اثر ہوتا ہے جو زبان دانی میں نہیں ہوتا۔

حضرت تھانوی کا انداز تربیت

میں نے ابھی وعظ سے پہلے مجمع عام میں کہا تھا کہ ریل کے سفر میں ایک ڈپٹی صاحب مجھ سے ملے اور بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ میں اخلاق کے ساتھ کھل کر ان سے باتیں کررہا تھا کہ اتنے میں مغرب کی نماز کا وقت آگیا تو میں اور خواجہ صاحب اور چند رفقاء نماز کے اہتمام میں مشغول ہوگئے۔ وہ ڈپٹی صاحب کو نماز نہ پڑھتے تھے ویسے ہی اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ خواجہ صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ ان ڈپٹی صاحب نماز کے لیے کہنا چاہیے کیونکہ یہ آپ سے محبت ظاہر کرتے ہیں۔ آپ کا کہنا ان کو ناگوار بھی نہ ہوگا اور امید ہے کہ اثر بھی زیادہ ہوگا اور باوجود قدرت کے امر بالمعروف کو ترک کرنا شاید نامناسب ہو، میں نے کہا امر بالمعروف اس موقع پر واجب نہیں کیونکہ ان کو نماز کا فرض ہونا معلوم ہے اور یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ چند آدمی نماز کو اٹھے ہیں اب بھی اگر ان کو توفیق نہ ہو تو یہ ان کی کوتاہی ہے۔ باقی میں تو زبان سے کچھ نہ کہوں گا کیونکہ میرے کہنے سے اگر انہوں نے نماز پڑھ بھی لی تو پڑھیں گے اپنے واسطے اور احسان ہوگا میری گردن پر سو مجھ کو تو اس سے غیرت آتی ہے کہ دین کے کام میں ان کا احسان اپنے سرلوں، اگر آپ کو امر بالمعروف کا ایسا ہی جوش ہے تو آپ خود کیوں نہیں کہتے؟ باقی اتنا میں کہے دیتا ہوں کہ اس وقت نماز کے لیے کہنے کا ان پر وہ اثر نہ ہوگا جو نہ کہنے کا اثر ہوگا۔ خیر خواجہ صاحب نے بھی ان سے کچھ نہ کہا اور میں نماز پڑھ کر پھر ان کے پاس آبیٹھا اور جس بشاشت سے پہلے باتیں کررہا تھا اسی بشاشت سے اب بھی کرنے لگا، میں نے ظاہری برتاؤ سے یہ بات بالکل ان پر ظاہر نہیں ہونے دی کہ مجھے آپ کے نماز نہ پڑھنے سے انقباض (۱) ہوا یا آپ کی حقارت میرے دل میں ہے ہرگز نہیں اس کے بعد دوسری نماز کا وقت آیا اور ہم اسی طرح نماز کو اٹھے اور بعد نماز کے میں پھر انہی ڈپٹی صاحب کے پاس آبیٹھا اور اسی نشاط سے پھر باتیں کرنے لگا۔ اس کا ان کے دل پر

(۱) گھٹن اور تکلیف ہوئی۔

بے حد اثر ہوا اور وہ نماز کے سخت پابند ہو گئے اور ایک صاحب سے کہتے تھے کہ صاحب ریل کے سفر میں جب مولانا نماز کو اٹھے تو مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا میرے سر پر جوتیاں پڑ رہی ہیں اور غضب یہ کہ مولانا نے مجھ سے ایک دفعہ بھی زبان سے یہ نہ فرمایا کہ آؤ تم بھی نماز پڑھ لو (اگر یہ فرما دیتے تو میں کچھ عذر ہی کر دیتا جس سے شرمندگی کم ہو جاتی ۱۲) اور اس وقت میں خیال کر رہا تھا کہ شاید اب نماز پڑھ کر جو مولانا آئیں گے تو نہ میرے پاس بیٹھیں گے نہ مجھ سے بات کریں گے مگر جب وہ نماز سے فارغ ہو کر بدستور میرے پاس آ بیٹھے اور اسی بشاشت سے گفتگو کرنے لگے جیسے پہلے کر رہے تھے تو واللہ اس ادا نے تو مجھے ذبح کر ڈالا۔ بھائی اس روز سے میں نماز کا پورا پابند ہو گیا ہوں۔

راوی نے جب ان کا یہ قول مجھ سے نقل کیا تو میں نے لوگوں سے کہا۔ بتلاؤ اس وقت امر بالمعروف کا زیادہ اثر ہوتا یا خاموش رہنے کا زیادہ اثر ہوا۔ امر بالمعروف سے اتنا ہو جاتا کہ وہ صرف اس وقت نماز پڑھ لیتے مگر یہ جو اثر ہوا کہ وہ شرمندگی سے ذبح ہو گئے اور عمر بھر کے لیے نمازی بن گئے، یہ بے زبانی ہی کا اثر تھا۔ تو دیکھئے اس وقت ان کو کچھ نہ کہنے کا اثر وہ ہوا جو کہنے سے نہ ہوتا۔ یہاں بے زبانی سے زیادہ اثر ہوا اور واقعی گو میں نے ان کو زبان سے نماز کے لیے نہ کہا تھا مگر دل میں یہی نیت تھی کہ ان شاء اللہ میرے سکوت سے ان پر زیادہ اثر ہوگا۔ (چنانچہ ایسا ہی ہوا واقعی حکیم ہر کام کا موقع خوب سمجھتا ہے، سیاست اسی کا نام ہے کہ ہر شخص کی تربیت اس کے مناسب طریق سے کی جائے اور یہ بات حضرت اقدس میں بالکمل وجوہ بحمد اللہ نمایاں ہے فللہ درہ من حکیم۔ ۱۲ جامع)

تبلیغ کے مختلف انداز

غرض کبھی بے زبانی بھی زبان سے زیادہ کام دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زبان پر اثر کا مدار نہیں پس محض زبان کے بدلنے سے دوسرا اثر لے لینا عجیب بات ہے جو لوگوں کی کم فہمی پر دال ہے۔

ہمارے ملنے والوں میں ایک بزرگ تھے۔ امیر شاہ خان صاحب وہ پرانے بزرگوں کے دیکھنے والے تھے، تحریکات حاضرہ میں ان کی رائے وہی تھی جو

میری رائے ہے۔ ان کا قیام مینڈھوں میں رہتا تھا جہاں کچھ دنوں سے مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی بھی مدرس ہوکر پہنچ گئے ہیں۔ ان کی رائے بھی تحریک حاضرہ میں میرے موافق ہے۔ (بلکہ وہ ہم سے بھی زیادہ پختہ ہیں ۱۲ جامع) مگر لوگوں کی یہ حالت تھی کہ مولوی حبیب احمد صاحب کی باتوں پر تو اعتراض کرتے تھے اور امیر شاہ خان صاحب سے خوش تھے۔ ایک دفع امیر شاہ خان صاحب نے مجھے لکھا کہ میرا مسلک بھی وہی ہے جو مولوی حبیب احمد صاحب کا ہے جو وہ کہتے ہیں وہی میں کہتا ہوں مگر اتنا فرق ہے کہ وہ اردو میں کہتے ہیں اور میں فارسی میں کہتا ہوں اس لیے لوگ میری باتوں سے متوحش نہیں ہوتے اور ان پر اعتراض وطعن کرتے اور برا بھلا کہتے ہیں۔ تو حقیقت میں یہ عوام کی کم فہمی ہے ورنہ خدا تعالیٰ کے یہاں زبان کی کچھ قید نہیں اس لیے زبان کے بدلنے سے شرعاً حکم نہیں بدلتا۔ چنانچہ مولانا شہید بھی حقیقت میں وہی کہتے تھے جو حق تعالیٰ نے فرمایا: فَإِنَّ ٱلْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا (۱) میں فرمایا ہے مگر انہوں اس کو اردو میں کہہ دیا۔ (۲)

اس سے لوگ متوحش ہونے لگے اور بیچاروں پر فتوے لگانے لگے۔ بہر حال چونکہ حق تعالیٰ کی عظمت کے سامنے بندہ کی عظمت کچھ بھی نہیں اس لیے لوگوں کو حقوق العباد کا اہتمام نہیں کہ وہ صاحب عظمت نہیں۔

حقوق العباد کی فوقیت

مگر میں نے بتلادیا ہے کہ تاکد حق کا سبب صرف عظمت میں منحصر نہیں (۳)

(۱) ''بیشک عزت وعظمت تمام کی تمام حق سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہے'' (۲) میں کہتا ہوں کہ حفظ الایمان کی عبارت دربارہ مسئلہ علم غیب پر جو اہل بدعت نے شور مچایا ہے اس کی بھی یہی اصل ہے کہ مضمون حفظ الایمان کا وہی ہے جو شرح مقاصد وشرح مواقف وغیرہ میں سلف نے بیان فرمایا ہے بلکہ ان کے الفاظ سے حفظ الایمان کے الفاظ بہت کم ہیں مگر سلف نے عربی میں کہا تھا اس لیے ان پر کچھ اعتراض نہ ہوا اور حفظ الایمان میں وہی مسئلہ اردو میں ظاہر کیا گیا تو شور وشغب ہونے لگا۔ اسی طرح بہشتی زیور کا ''مسئلہ نسب'' کتب فقہ میں مصرح ہے۔ عالمگیری اور درمختار ملاحظہ ہو مگر ان پر کوئی اعتراض نہیں کرتا کیونکہ انہوں نے عربی میں لکھا ہے اور بہشتی زیور پر بعض علماء کالجھلاء نے خواہ مخواہ زبان طعن دراز کی ہے خدا ان کو ہدایت دے۔ ۱۲ جامع (۳) حق صرف عظمت کی بنا پر ہی نہیں ہوتا۔

بلکہ حاجت بھی تاکد حق کا ایک سبب ہے۔ پس حقوق اللہ کا تاکد تو عظمت کی وجہ سے ہے اور حقوق العبد کا تاکد حاجت (۱) کی وجہ سے ہے۔ فقہاء نے اس کو سمجھا ہے اور واقعی فقہاء حکمائے امت ہیں، اسی طرح صوفیاء بھی۔ اور فقہ کی تعریف تصوف کو بھی شامل ہے۔ سلف میں فقہ احکام ظاہرہ کے علم کا نام نہ تھا بلکہ مجموعہ احکام ظاہرہ و باطنہ کے علم کو فقہ کہتے تھے۔ چنانچہ امام صاحب نے فقہ کی تعریف یوں فرمائی ہے۔

معرفۃ النفس مالھا وما علیھا (۲) جس میں تصوف بھی داخل ہے تو فقہاء جا بجا فرماتے ہیں: حق العبد مقدم علی حق اللہ کہ بندہ کا حق اللہ تعالیٰ کے حق پر مقدم ہے۔ انکا یہ مطلب نہیں کہ (نعوذ باللہ) عظمت کی وجہ سے ایسا ہے بلکہ احتیاج کی وجہ سے حق العبد کو حق اللہ پر مقدم کہا گیا ہے کیونکہ بندہ محتاج ہے اور حق تعالیٰ احتیاج سے بَری ہیں۔ مگر فقہاء کا یہ جملہ ظاہر میں ایسا وحشت ناک ہے کہ اگر کوئی صوفی ایسا کہہ دیتا تو کفر کے فتوے لگ جاتے مگر فقہاء بے دھڑک فرماتے ہیں کہ حق العبد حق اللہ پر مقدم ہے کیونکہ وہ منتظم ہے، ان کو حقوق کا انتظام کرنا ہے اور واقعی حقوق العباد کا اہتمام بدوں اس طرح صاف صاف کہے بغیر نہیں ہوسکتا تھا مگر ان پر کوئی فتویٰ نہیں لگاتا، لوگ ان کو قانونی سمجھتے ہیں۔ اس لیے ان سے ڈرتے ہیں، جانتے ہیں کہ اگر ان پر اعتراض کیا گیا تو جھاڑ کی طرح پیچھے لگ جائیں گے اور ایک مسئلہ کے ثابت کرنے کو رسالے کے رسالے تصنیف کردیں گے اور صوفیاء بیچارے غریب ہیں کسی سے بحث مباحثہ نہیں کرتے اس لیے ان کو سب دباتے ہیں اور ان کی بات بات پر فتوے لگائے جاتے ہیں وہ تو ایسے غریب ہیں کہ کوئی ان کو غریب کہہ بھی دے تب بھی برا نہیں مانتے اور ذرا اہل ظاہر کو تو غریب کہہ دو دیکھو کیسے چڑتے ہیں۔

حکایت

اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک نواب نے کسی مصلحت سے ایک گنوار کو مجسٹریٹ بنا دیا تھا۔ وہ مقدمات کا فیصلہ کرنے لگا۔ ایک دفعہ کسی نے عرضی پیش کی کہ اس میں لکھا تھا کہ غریب پرور (۳) سلامت! تو آپ بہت برہم ہوئے اور کہا

(۱) حقوق العباد کی تاکید حاجت کی وجہ سے ہوتی ہے (۲) ''نفس کا پہچاننا نفع ونقصان کے کاموں میں''
(۳) غریبوں کو پالنے والے آپ سلامت رہیں۔

نواب صاحب تو ہم کو مسفق (۱) (بسین مہملہ) مہربان کہتے ہیں اور یہ نالائق ہم کو گریب (غریب ۱۲) لکھتا ہے۔ اچھا پانچ روپے جرمانہ، اس اُلو کی سمجھ میں غریب ہی آیا۔ پرور کو (۲) وہ سمجھا ہی نہیں اور شاید یہ خیال کیا ہو کہ پرور بھی کوئی تحقیر کا لفظ ہے جبھی تو غریب کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ غرض آج کل غریب کہنے سے بھی لوگ چڑتے ہیں۔ مگر صوفیاء اس سے بھی برا نہیں مانتے۔ بلکہ کوئی انہیں جاہل بھی کہہ دے جب بھی برا نہیں مانتے۔ کیمیا گر کو اگر کوئی یوں کہہ دے کہ اسے کیمیا نہیں آتی ویسے ہی جھوٹ موٹ کیمیا گر بنا ہوا ہے تو وہ کبھی ناخوش نہ ہوگا بلکہ خوش ہوگا کہ اچھا ہے لوگ یوں ہی سمجھتے ہیں تا کہ میں پولیس کی دست برد سے بچا رہوں۔ اسی طرح کسی صوفی کو کوئی جاہل کہہ دے تو وہ خوش ہوتے ہیں کہ اچھا ہوا میں رجوع خلائق سے (۳) بچا ورنہ لوگ ہجوم کر کے خلوت مع المحبوب (۴) سے روک دیتے اور کبھی ان کو جواب کا جوش بھی ہوتا ہے تو اندر سے کوئی یوں کہتا ہے۔

بامدعی مگوئید اسرار عشق مستی بگزار تابمیرد در رنج خود پرستی (۵)

غرض صوفیاء حق العبد کو حق اللہ پر مقدم (۶) کہہ دیتے تو ان پر فتوے لگ جاتے مگر فقہاء کو کوئی کچھ نہیں کہتا وہ صاف کہتے ہیں کہ ''حق العبد مقدم علی حق اللّٰہ'' اور منشاء اس کا صرف یہی ہے کہ بندہ محتاج ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آج سے حقوق اللہ کو ترک کر کے حقوق العبد ہی کو لے لو بلکہ مطلب یہ ہے کہ جہاں دونوں میں تعارض ہو وہاں حق العبد مقدم (۷) ہے اور یہ بھی شریعت کا حکم اور حق اللہ ہی ہے اور جہاں تعارض نہ ہو وہاں ہر ایک کو اپنے اپنے موقع پر ادا کرنا چاہیے۔ دیکھو اگر باپ بیٹے سے یوں کہے کہ کھانا کھالے اور ماں کہے کہ پانی پی لے تو اس وقت ان دونوں

(۱) یعنی مشفق ومہربان (۲) دیکھ بھال کرنے والا (۳) لوگوں کی بھیڑ سے بچا (۴) محبوب کی تنہائی میں مخل ہوتے (۵) ''مدعی کے سامنے عشق ومستی کے اسرار مت بیان کرو اس کو خود پرستی اور تکبر میں مرنے دو'' (۶) بندے کے حق کو اللہ کے حق سے مقدم قرار دیتے (۷) تعارض کے وقت بندے کے حق کی رعایت کرے۔

باتوں پر عمل کیا جائے گا کیونکہ دونوں میں تعارض کچھ نہیں دونوں کا جمع ممکن ہے اور اگر باپ کہے کہ پہلے نمکین کھاؤ اور ماں کہے کہ پہلے میٹھا کھاؤ تو یہاں البتہ سوال ہوگا کہ دونوں میں سے کس کا حق ادا کیا جائے۔ غرض مقدم ومؤخر کو وہیں دیکھا جاتا ہے جہاں تعارض ہو اور عدم تعارض کے وقت دونوں کو اختیار کیا جاتا ہے۔ بس اب بتلاؤ کہ نماز پڑھنے اور قرض ادا کرنے میں کیا تعارض ہے، کچھ بھی نہیں پس دونوں کو بجالاؤ نماز بھی پڑھو اور قرض بھی دو۔ تعارض کی صورت یہی ہے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس سو روپے ہیں جن پر سال بھی گزر گیا ہے تو قاعدہ سے اس میں دو روپے آٹھ آنے زکوٰۃ کے واجب ہونے چاہئیں مگر اس شخص پر کسی کا دین (۱) بھی ہے تو اس وقت حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم پر کسی کا دین بھی ہے تو پہلے بندہ کا حق ادا کرو۔ زکوٰۃ ساقط ہے یہاں فقہاء فرماتے ہیں کہ حق العبد حق اللہ پر مقدم ہے۔

حق النفس

یہ بھی حقیقت میں حق اللہ ہی ہے کیونکہ بندوں کے حقوق ادا کرنا حق تعالیٰ ہی کے حکم کی وجہ سے تو لازم ہے۔ حق تعالیٰ نے خود حکم دیا ہے کہ بندوں کے حقوق ادا کرو، اس بناء پر یوں کہنا چاہیے کہ اس وقت ایک حق اللہ دوسرے حق اللہ پر مقدم ہوگیا اس لیے حق اللہ وحق العبد میں تعارض بھی نہیں۔ مگر چونکہ ظاہر میں وہ حق العبد معلوم ہوتا ہے اس لیے یہ کہا جاتا ہے کہ حق العبد حق اللہ پر مقدم ہے مگر یہ محض ظاہری تقدیم ہے اور ایک حقیقت کی بناء پر یہ ظاہری تقدیم بھی رفع ہوجاتی ہے اور وہ حقیقت حق تعالیٰ نے میرے قلب پر وارد فرمائی ہے۔ میں نے منقول کہیں نہیں دیکھا وہ یہ کہ حق اللہ سے مراد حق النفس (۲) ہے کیونکہ جن امور کو حق اللہ کہا جاتا ہے وہ طاعات وعبادات ہیں اور ظاہر ہے کہ بندہ کے افعال سے حق تعالیٰ کا نہ کوئی نفع ہے نہ کوئی ضرر ہے بلکہ نفع یا ضرر جو کچھ ہے بندہ ہی کا ہے تو یقیناً حق اللہ میں جو اضافت ہے یہ اضافت نفع یا ضرر کی نہیں ہوسکتی جیسا کہ حق العبد

(۱) قرض (۲) اپنی ذات کا حق۔

میں اضافت نفع یا ضرر کے لیے ہے کہ وہ ایسا حق ہے جس کا ادا کرنا بندہ کو نافع اور تلف کرنا بندہ کو مضر ہے۔ اس طرح یہاں نہیں کہہ سکتے کہ یہ طاعات وعبادات ایسے حق اللہ ہیں کہ ان کا ادا کرنا بندہ کو نافع اور تلف کرنا بندہ کو مضر ہے۔ اس طرح یہاں نہیں کہہ سکتے کہ یہ طاعات وعبادات ایسے حق اللہ ہیں کہ ان کا ادا کرنا خدا کو نافع اور تلف کرنا ان کو مضمر ہے۔ (نعوذ باللہ) پس میرے نزدیک حق اللہ سے مراد حق النفس ہے اور حق العبد سے مراد حق الغیر ہے(۱) اس تفسیر پر دونوں جگہ اضافت یکساں ہوگی۔ یعنی ہر جگہ اضافت نفع وضرر ہے پس حق اللہ یعنی حق النفس تو وہ ہے جس کا ادا کرنا اپنے آپ کو نافع اور ضائع کرنا اپنے آپ کو مضر ہے(۲) اور حق العبد(۳) یعنی حق الغیر وہ ہے جس کا ادا کرنا دوسروں کو نافع اور تلف کرنا دوسروں کو مضر ہے۔

پس اس تفسیر پر حق اللہ وحق العبد میں کہیں تعارض نہیں ہوا اور جو اشکال حق العبد کو حق اللہ پر مقدم کرنے میں ہوتا تھا وہ بھی نہ رہا کیونکہ اس تفسیر پر جس کو حق اللہ کہا جاتا ہے وہ حقیقت میں حق النفس ہے پس جہاں حق اللہ پر حق العبد کو مقدم کیا جاتا ہے وہاں درحقیقت حق الغیر کو حق النفس پر مقدم کیا گیا ہے اور اس میں کچھ بھی اشکال نہیں بلکہ یہ تو ایثار ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (۴)

ایثار کے آثار

اس میں حق تعالیٰ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی (یعنی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی) مدح فرمائی ہے کہ اپنے نفسوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود بھوکے رہیں ان کا قصہ ہوا تھا کہ ایک بار یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمانوں کو اپنے گھر لے آئے تھے اور انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) دوسرے کا حق (۲) جس کا کرنا فائدہ مند نہ کرنا نقصان دہ ہو (۳) بندہ کا حق (۴) ''وہ اپنے نفسوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود بھوکے رہیں'' سورۃ الحشر:۹

کے مہمان ہیں، ان سے کوئی چیز بچانا نہیں۔ انہوں نے کہا ہمارے گھر تو آج اتنا ہی کھانا ہے جو صرف بچوں کو کافی ہوسکتا ہے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پھر بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دینا اور ہم دونوں بھی کھائیں گے نہیں جو کچھ کھانا تیار ہے سب مہمانوں کے سامنے رکھ دینا مگر وہ مہمان ایسے ہیں کہ بدوں ہمارے کچھ کھائیں گے نہیں تو تم یہ کام کرنا کہ جس وقت مہمان گھر میں آئیں اسی وقت چراغ گل کر دینا، پھر میں کہہ دوں گا کہ چراغ گل ہوگیا ہے اور روشن کرنے کا سامان اس وقت دشوار ہے (کیونکہ اس زمانہ میں دیا سلائی کہاں تھی چقماق[1] وغیرہ سے کام کرتے تھے ۱۲) اس لیے اندھیرے ہی میں کھانا کھالیجئے ہم بھی ان کو دکھلانے کے لیے ساتھ بیٹھ جائیں گے اور منہ چلاتے رہیں گے تاکہ وہ سمجھیں کہ یہ بھی کھا رہے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا کہ دونوں میاں بیوی خود بھوکے رہے اور مہمانوں کو کھلا دیا۔ یہ ایثار ہے جس پر حق تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی۔ صوفیاء کو اس کا بہت اہتمام رہتا ہے، وہ ہمیشہ اس کا خیال رکھتے ہیں کہ اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کریں اور اپنے متعلقین کو بھی وہ اس کی تعلیم دیتے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

مگر اس واقعہ مذکورہ پر ایک اشکال ہے۔ میں اس کو بھی رفع کیے دیتا ہوں ان علماء وطلباء کی بڑی مشکل ہے ان کو ہر جگہ شبہے پڑتے ہیں اور ہمیں صوفیاء کی بھی رعایت کرنی پڑتی ہے کیونکہ ہم ان کو بھی مجتہد وفقیہ سمجھتے ہیں اس لیے اس کا بھی خیال رہتا ہے کہ ان کا فعل خلاف شرع نہ ہو چنانچہ ایثار کرنا صوفیاء کا طرز ہے اور اس لیے وہ اس آیت سے استدلال کرتے تھے، اس پر یہ اشکال آتا ہے کہ ان صحابیؓ نے (جن کا واقعہ شان نزول میں مذکور ہوا ہے) مہمانوں کو اپنے نفس پر اور بچوں پر جو مقدم کیا تو یہ جائز کہاں تھا کیونکہ اپنے نفس کے بھی تو کچھ حقوق ہیں۔ (ان لنفسك عليك حقا)[2] اس کا جواب علماء اہل ظاہری نے بہت اچھا دیا ہے کہ ان کو اس درجہ کی بھوک نہ تھی جیسی مہمانوں کو تھی (یعنی انہوں نے اپنے نفس کے حق کو ضائع نہیں کیا بلکہ یوں کہو کہ اپنے کو زیادہ

(۱) ایک پتھر تھا جس کو رگڑنے سے چنگاری پیدا ہوتی تھی اس سے آگ جلانے کا کام لیتے تھے (۲) ''تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے'' المسند الامام احمد: ۶/ ۲۶۸

راحت نہیں دی کہ اس میں کچھ اشکال نہیں کہ دوسروں کی کلفت رفع کرنے کو اپنی راحت میں کچھ کمی کردی جائے ۱۲) اب یہ شبہ رہا کہ بچوں پر مہمانوں کو کیسے مقدم کیا۔ ان کی تو اجازت بھی معتبر نہ تھی۔ اس کا جواب دیا گیا کہ بچوں کو بھوک نہ تھی وہ تمہارے بچوں کی طرح نہ تھے جن کا پیٹ بھرتا ہی نہیں اور اس بات کو ماں باپ خوب سمجھ سکتے ہیں اس وقت بچہ کو بھوک ہے یا محض کھانا دیکھ کر حرص کرنے لگے ہیں تو حضرت ابوطلحہؓ کو قرائن سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ بچوں کو بھوک نہیں ہے۔ وقت پر اچھی طرح کھا چکے ہیں اور رات کو نہ کھانے سے انہیں کلفت نہ ہوگی اس لیے بہلا پھسلا کر سلوادیا۔ اب اگر یہ سوال ہو کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ کے نزدیک بچے بھوکے نہ تھے محض حرص ہی کا درجہ باقی تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معقول پڑھ کر آؤ تو معلوم ہوگا، دلیل مستدل کے ذمہ ہے یا مانع کے ظاہر ہے کہ مانع کے ذمہ دلیل نہیں بلکہ منع کے لیے ابداء احتمال کافی ہے، اب مستدل کا فرض یہ ہے کہ اگر اس کو یہ احتمال تسلیم نہ ہو تو دلیل سے اس کو باطل کرے۔ غرض فقہاء نے جو یہ فرمایا ہے کہ حق العبد مقدم علی حق اللہ (۱)

درحقیقت اس میں ایثار کی تعلیم ہے اور مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس کے حقوق پر غیروں کے حقوق کو مقدم کرنا چاہیے۔ فقہاء اس کو اس عنوان سے تعبیر فرماتے ہیں صوفیاء اس کو ایثار سے تعبیر کرتے ہیں۔ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔

ایثار کی حقیقت

اتنا فرق ہے کہ فقہاء نے صرف معاملات میں اس کا اہتمام کیا ہے اور صوفیاء نے ہر امر میں اس کی سعی (۲) کی ہے۔ حتی کہ عبادات میں بھی، فرائض وواجبات کے اندر تو نہیں مگر مستحبات وفضائل میں وہ ایثار کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر کبھی کوئی صوفی صف اول میں کھڑا ہوجائے اس کے بعد کوئی بزرگ آجائیں استاد یا شیخ تو وہ پیچھے ہٹ کر اپنے بزرگ کو صف اول میں جگہ دے دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ حضرات خاص حالات میں

(۱) ''حق العبد حق اللہ پر مقدم ہے'' (۲) کوشش۔

صف اول میں دائیں جانب کھڑا ہونے کا زیادہ اہتمام نہیں کرتے بلکہ بائیں جانب کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور عام عادت یہ ہے کہ لوگ صف اوّل میں دائیں طرف کا بہت اہتمام کرتے ہیں حتی کہ بائیں طرف بہت ہی کم لوگ ہوتے ہیں اور اس کو افضل سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے پس سب سے افضل تو وہ شخص ہے جو امام کے پیچھے ہے اس کے بعد وہ افضل ہے جو اس کے دائیں طرف ہو پھر وہ جو اس کے بائیں طرف ہو اسی طرح جب اس کے بعد ایک آدمی دائیں طرف اور آجائے تو اب دوسرے کو بائیں طرف کھڑا ہونا چاہیے اس وقت اس کا بائیں طرف کھڑے ہونا دائیں طرف کھڑے ہونے سے افضل ہے کیونکہ اس صورت میں بائیں طرف ہوکر یہ امام کے زیادہ قریب ہوگا اور دائیں طرف کھڑے ہونے سے بعد(۱) ہوجائے گا۔ غرض بائیں طرف کھڑا ہونے سے اگر امام کے اور اس کے درمیان میں چار آدمی کا واسطہ ہو اور دائیں طرف ہونے سے پانچ کا واسطہ ہو تو اس وقت بائیں طرف کھڑا ہونا افضل ہوگا وعلی ہذا القیاس۔ پس صف کو اس طرح بھرنا چاہیے کہ ایک آدمی امام کے بالکل پیچھے ہو پھر ایک اس کے دائیں اور پھر ایک اس کے بائیں کھڑا ہوتا چلا جائے مگر عوام یہ سمجھتے ہیں کہ پہلے دائیں جانب کو بھرنا چاہیے۔ جب اس طرف جگہ نہ رہے پھر بائیں طرف آنا چاہیے یہ غلط ہے بلکہ دونوں طرف برابر آدمی ہونے چاہئیں مگر صوفیاء کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ خاص حالات میں زیادہ کوشش بائیں طرف کھڑا ہونے کی کرتے ہیں اور دائیں طرف کے لیے دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں(۲)

(۱) امام سے دور ہوجائے گا (۲) قلت قال العلامة الشعرانی العهود المحمدیه اخذ علیناالعهد العام من رسول الله ﷺ اینا میسرة المسجد قدعطلت من صلوةالناس فیها ان نکرمها بالصلوة فیهاجبرالها قال وقدروی ابن ماجه وغیره عن ابن عمر قال قیل للنبی صلی الله علیه وسلم ان میسرة المسجد قد تعطلت فقال النبی صلی الله علیه وسلم من عمر میسرة المسجد کتب الله له کفلین من الاجر وفی روایة للطبرانی مرفوعا من عمر جانب المسجد الایسر لقلة اهله اجران قلت وهذا هوالسر فی اهتمام الصوفیه بالجانب الایسرای لقلة رغتب الناس فیه وامام اهتمامهم بالصف الموخر مع (بقیہ اگلے صفحے پر)

اسی طرح صف اول پر بھی مزاحمت نہیں کرتے بلکہ خاص حالات میں دوسروں کو صف اول میں جگہ دے دیتے ہیں اور خود صف ثانی یا ثالث میں کھڑے ہوجاتے ہیں، اور جنازہ کی نماز میں بھی وہ ایسا ہی کرتے ہیں کہ اکثر پچھلی صف میں کھڑے ہوتے ہیں اس کی ایک وجہ تو منقول ہے وہ یہ ہے کہ صف آخر میں کھڑا ہونے والا مکمل صفوف زوائد ہے اور حدیث میں ہے کہ جس میت پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز کی ہوجائیں اس کی مغفرت ہوجاتی ہے تو صف ثالث میں کھڑا ہونے والا علت تامہ کا جزو اخیر ہے جو بسبب مغفرت ہے اور ایک وجہ میرے قلب میں آئی ہے وہ یہ کہ صف اول والے بلاواسطہ میت کے لیے دعا کرتے ہیں اور صف اخیر والا اگلی صف کے مسلمانوں کو بھی واسطہ بناتا ہے اور سب کے واسطے دعا کرتا ہے اس لیے صوفیہ پیچھے کھڑے ہوتے ہیں تاکہ اگلوں کو واسطہ بنا کر دعا کریں۔ خیر جماعت جنازہ کا ذکر تبعاً تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ صوفیاء جماعت

(بقیہ پچھلے صفحے کی) كونه خلافا للحديث خير صفوف الرجال اولها وشريها آخرها فالسر فيه ماقاله الشعراني ايضا اخذ علينا العهد العام من رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صفت سرائرنا من جميع مايسخط الله عزوجل بحثيت لم يبق في سرائرنا وظواهرنا الا ما يرضى ربنا ان نواظب على الصلوة في الصف الاول عملا بقوله صلى الله عليه وسلم ليليني منكم اولو الاحلام والنهى اى العقل ولا يكون العبد عاقلا الا اذا كان لهذا الوصف الذي ذكرنا فمن كان في ظاهره اوباطنه صفته يكرمها الله تعالى فليس يعاقل كامل (اى وليس اهلا للقرب من الامام ايضا بدلالة الحديث ١٢) ولا يتقدم للصف الاول بين يدى الله فى مواكب الاهيئة الا انبياء والملائكته ومن كان على اخلاقهم واما من تخلف عن اخلاقهم فيقف في اخرايات الناس خير اله ه (٣٥) قال فاما خير صفوف الرجال اولها فالمر ادبالرجال الكمل ه (٣١) اي الكاملون فى الاحلام والنهى كيلا تتضاد اثار فان حديثليلنى منكم اولو الاحلام والنهي كما يفيد طلب اللنومن هؤلاء طلب التأخر عمن ليس على منزلتهم ايضا اويقال خير صفوف الرجال اولها خبر بمعنى انشاء اى ليجعل الامام خير الرجال في الصف الاول والله اعلم فاذا راى احد غيره افضل منه فتاخر له من الصف الاول وقدمه فقدعمل بقوله صلى عليه وسلم ليلى اولو الاحلام والنهى فاى يوم عليه اذا قدم من كان احق بالصف الاول منه فافهم ولاتعجل بالانكار على القوم فتندم ٢ جامع.)

صلوٰۃ مفروضہ بھی صف اول میں ایثار کرتے ہیں۔ اگر کوئی ان کا بزرگ آجائے تو اس کو مقدم کردیتے ہیں اس پر فقہاء خشک اعتراض کرتے ہیں کہ تم نے صف اول کے ثواب کو چھوڑ دیا جس میں استغناء عن الثواب ہے۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ ایک ثواب تو صف اول میں کھڑے ہونے کا اور دوسرا ثواب تعظیم اہل اللہ کا جو اس سے بھی بڑھا ہوا ہے تو ہم ظاہر میں گو ایک ثواب کے تارک ہوئے مگر باطن میں دوسرے بڑے ثواب کے جامع ہوئے۔ تو استغناء عن الثواب کہاں ہوا اس میں بھی تو طلب ثواب ہی ہے پھر شرعی قاعدہ ہے الدال علی الخیر کفاعلہ۔

اس بناء پر جس کو ہم نے صف اول میں کھڑا کیا ہے اس کو جو فضیلت صف

قلت وقد علمت مما ذكرنا سابقا ان في ذالك عملا بقوله صلى الله عليه وسلم ليلني منكم اراء الاسلام والنهي رواه مسلم في صحيحه وقال في رد المختاروحاشية الأشباه للحموى عن المضمرات عن النصاب وان سبق احدالى الصف الأول فدخل رجل أكبر منه سنا او اهل علم ينبغى ان يتاخره ويقدمه تعظيما له فهذا يفيد جواز الايثار بالقرب بلا كرابة خلافا للشافعية وقال في الأشباه لم اره لأصحابنا ونقل علامته البيرى فروعاً تدل على عدم الكراهته ويدل عليه قوله تعالى ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة وما في صحيح مسلم من انه عليه الصلوة والسلام اتى بشراب فشرب منه وعن يمينه اصغر لقوم وهوا بن عباس عن يساره اشياخ فقال صلى الله عليه وسلم للغلام اتاذن لي في ان اعطى هؤلاء فقال الغلام لا والله فاعطاه والغلام اذا لاريب ان مقتضى طلب الاذن مشروعية ذلك بلاكراهة وان كان غيره افضل هـ (اى لو كان اثر الغلام غيره بحقه كان ذلك جائزاله) اقوال ينيفى تقيد المسئلة (أي مسئلة جواز الايثار) بما اذا عارض تلك القرية ما هوا فضل منهما كا حترام اهل العلم والاشياخ كما افاده الفرع سابق والحديث فانهما يدلان على انه افضل من القيام في الصف الاول اومن اعطاء الا نامن لاللحق فيكون الايثار بالقربة انتقالا من قربة اي ما هوا افضل منهما وهو الاحترام المذكور امالو اثر على مكانه في الصف مثلاً من ليس كذلك يكون اعراض عن القربة بلا داع وهو خلاف المطلوب شرعاً اه (۵۹۴۰ ج ا) قلت وكون الرجل ليس كذالك يختلف باختلاف الذوق فمن ذاق كونه احسن الخلق كله وان كل مسلم افضل منه فله، تقديم كل مسلم على نفسه ويكون في ذالك عملاً لقوله عليه السلام ليلينى منكم الخ بتقديم الافضل منه عنده فافهم والله تعالى اعلم ۱۲ جامع) لدال على الخير كفا عله (مجمع الزوائد للهيثمي ۱: ۱۶۶، ۳:۱۳۷، تفسير القرطبى۶:۴۶، تفسير ابن كثير ۳:۱۱

اول کی ہماری وجہ سے حاصل ہوگی اس کا ثواب بھی ہم کو ملے گا تو ہم ثواب صف اول سے بھی محروم نہ ہوئے اور اس کے ساتھ دوسرے ثواب کے جامع ہوگئے ہمیں اس صورت میں دوہرا ثواب ملا۔

غرض ایثار حضرات صوفیاء کا بہت بڑا معمول ہے۔ بھلا بزرگوں کے ساتھ تو وہ کیونکر ایثار نہ کرتے۔ ان کا تو مذاق یہ ہے کہ وہ جانوروں کے ساتھ بھی ایثار کرتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ کی حکایت ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد ہیں یہ بڑے بزرگ صاحب باطن ہیں اور اس کے ساتھ ہی بڑے عالم اور محدث بھی ہیں۔ ہندوستان میں علم حدیث یہی لائے۔ گو شہرت شاہ ولی اللہ صاحب کی زیادہ ہے مگر اصل حدیث کے لانے والے یہاں پر یہی ہیں۔ یہ علامہ ابوطاہر محدث مدنی کے شاگرد ہیں ان کی ایک حکایت ایثار کے متعلق ہے۔

بزرگوں کے طریقے

مگر اس سے پہلے ایک دوسرا واقعہ بیان کردوں (کیونکہ دونوں میں ارتباط ہے ۱۲) سو ایک واقعہ تو ان کا یہ ہے کہ ایک دفعہ وہ بہت عمدہ اور قیمتی لباس پہنے ہوئے دربار شاہی میں جارہے تھے۔ صوفیاء ناقصین تو ہر حالت میں تقشّف (۱) سے رہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ ہم تو ظاہر میں جیسے اپنے گھر رہا کرتے ہیں ویسے ہی بادشاہوں کے سامنے رہیں گے، ہم سلاطین کی عظمت کے لیے لباس کیوں تغیر کریں اور ایسے صوفیاؤں کی عوام کی نظر میں زیادہ وقعت ہوتی ہے مگر کامل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ

من چو کلکم درمیان صبعین نیستم درصف طاعت بیں ببیں (۲)

وہ اپنے لیے کوئی خاص وضع وہیبت تجویز نہیں کرتا وہ ہر حالت میں حکم کا تابع ہوتا ہے اس لیے کبھی خستہ حال رہتا ہے کبھی بنا ٹھنا رہتا ہے۔ یہ لوگ سلاطین کی ملاقات کے لیے قیمتی لباس بھی پہن لیتے ہیں کیونکہ اس میں مزورلہ (۳) کا اکرام ہے اور اکرام مزورلہ مطلوب ہے اس لیے وہ ان کی خاطر اپنی وضع کو چھوڑ کر اس وقت شاہی وضع اختیار کرلیتے

(۱) سادگی (۲) ''میں قلم کی طرح دو انگلیوں میں ہوں صف طاعت میں، بین بین نہیں ہوں'' (۳) صاحب ملاقات کا اکرام مقصود ہوتا ہے۔

ہیں، عوام ان کی اس حالت پر طعن کرتے ہیں کہ یہ بادشاہوں کی ملاقات کے لیے کیسے بنے ٹھنے جارہے ہیں مگر ان کو کیا خبر کو وہ کس حالت میں ہیں اس لیے کامل کا پہچاننا دشوار ہے کیونکہ وہ کسی حالت ووضع کا پابند نہیں ہوتا تو عوام کو اس میں ظاہراً دوسروں سے وہ خاص امتیاز نظر نہیں آتا۔

درنیا بدحال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام(۱)

شوہر کی خاطر زینت اختیار کرنا

ایک بزرگ بی بی کا قصہ ہے کہ وہ رات کو بعد نماز عشاء کے خوب زینت کرتیں، عمدہ لباس پہنتیں، زیور سے آراستہ ہوکر کنگھی، سرمہ لگاتیں اور اس حالت میں شوہر کے پاس آکر ان سے دریافت کرتیں کہ تم کو میری حاجت ہے اگر وہ کہہ دیتے کہ ہاں تو ان کے پاس کچھ دیر لیٹ جاتیں اور اگر وہ کہتے کہ مجھے حاجت نہیں تو پھر کہتیں کہ اچھا اب مجھے اجازت دو کہ میں اپنے خدا کے ساتھ مشغول ہوں چنانچہ شوہر کی اجازت کے بعد وہ اپنا لباس اور زیور وغیرہ اتار کر رکھ دیتیں اور کمبل اور ٹاٹ کا لباس پہن کر تمام رات عبادت کرتیں۔ تو دیکھئے یہ بزرگ بی بی ایک وقت میں کیسی زینت کرتیں اور دوسرے وقت کمبل اور ٹاٹ میں رہتیں، اب اگر کوئی زینت کے وقت ان کو دیکھتا تو یہی کہتا کہ یہ کیسی بزرگ ہیں جو اس قدر زیب وزینت کا اہتمام کرتی ہیں مگر کسی کو کیا خبر کہ وہ کس لیے زینت کرتی تھیں وہ نفس کی خواہش کے لیے ایسا نہ کرتیں تھیں بلکہ حکم شریعت کی وجہ سے زینت کرتی تھیں کیونکہ شریعت کا حکم ہے کہ عورت کو شوہر کے لیے زیب وزینت کرنا چاہیے۔ اس صورت میں اس کو زینت کرنے سے ثواب ملتا ہے مگر آج کل عورتوں کی یہ حالت ہے کہ شوہر کے سامنے تو بھنگیوں کی طرح رہتی ہیں اور جب کہیں برادری میں جاتی ہیں تو سر سے پیر تک آراستہ ہوتی ہیں اور اگر کوئی بیچاری شوہر کی خاطر زینت کرلے تو اس کو نکو(۲) بتاتی ہیں کہ ہائے اسے حیاء وشرم ذرا نہیں کہ یہ اپنے میاں کے

(۱) ''ناقص کامل کی حالت کو نہیں پہنچ سکتا، پس کلام کو تاہ کرنا چاہیے اسی میں سلامتی ہے'' (۲) بدنام کرتی ہیں۔

واسطے کیسے کیسے چوچلے کرتی ہے۔ افسوس کہ جس جگہ زینت کا حکم تھا وہاں تو اس پر طعن ہوتا ہے اور جہاں ممانعت ہے وہاں اہتمام کیا جاتا ہے تو وہ بزرگ بی بی ایسی نہ تھیں وہ تو حکم کے تابع تھیں جہاں شریعت کا حکم ہوتا وہاں وہ خوب زینت کرتیں کیونکہ جب شوہر زینت کو کہے دلہن کو خراب وخستہ رہنے کا کیا حق ہے مگر جب شوہر کو کچھ غرض نہ ہوتی تو وہ اپنے نفس کے لیے زینت کا اہتمام نہ کرتی تھیں بلکہ وہی کمبل اور ٹاٹ پہن لیتی تھیں۔ اسی طرح کاملین زینت اور ترک زینت میں حکم کے تابع ہوتے ہیں وہ اپنے نفس کے لیے کچھ نہیں کرتے۔

شاہ عبدالرحیم کا حال

چنانچہ شاہ عبدالرحیم صاحب دربار جانے کے لیے عمدہ بیش قیمت لباس پہن کر جارہے تھے اس حالت سے تو ظاہر بینوں کو کچھ کچھ شبہات ہوئے ہوں گے۔ اب دوسری حالت دیکھئے کہ راستہ میں آپ نے ایک کتے کے بچہ کو دیکھا جو نالی میں سردی کے مارے جاڑے میں سکڑ رہا تھا۔ آپ سے یہ حالت دیکھ کر رہا نہ گیا، فوراً کھڑے ہوگئے اور خادم سے فرمایا کہ اس کو نالی سے نکال لو، اس نے کچھ ناک منہ چڑھایا تو آپ نے آستیں چڑھا کر اسے خود نکالا اور ایک حمام قریب تھا، وہاں لے جا کر گرم پانی سے اس کو غسل دیا۔ پھر آگ میں تاپا، یہاں تک کہ اس کی سردی کم ہوگئی اور اچھی طرح چلنے پھرنے لگا۔ پھر آپ نے اہل محلّہ سے فرمایا کہ اگر تم اس کی راحت کا انتظام کرسکو اور نگہداشت کا وعدہ کرو تو میں اس کو یہیں چھوڑ دوں ورنہ اس کو اپنے ساتھ لے جاؤں اور میں خود اس کا انتظام کروں گا۔ اہل محلّہ نے وعدہ کیا تو آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور پھر دربار میں تشریف لے گئے۔ (بھلا جو شخص فخر وتکبر کے لیے زینت کرتا ہو، کیا اس سے یہ ہوسکتا ہے کہ ایک کتے کے بچہ کو اپنے ہاتھ سے اس طرح دھوئے اور یوں اس کو راحت پہنچائے، ہرگز نہیں، مگر شاہ صاحب نے بے تکلف اس کی خدمت کی، خادم نے بھی ناک منہ چڑھایا مگر آپ کو ذرا بھی اس سے انقباض نہ ہوا۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اپنے نفس کے لیے زیب وزینت نہ کرتے تھے) یہ قصہ تمہید ہے۔ دوسرے قصہ کی۔

عطائے علم عظیم

اور وہ دوسرا قصہ جو مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ایک بار آپ بٹیا پر جارہے تھے ایک موقع ایسا آیا کہ دونوں طرف پانی اور کیچڑ تھا، صرف بٹیا ہی کا راستہ سوکھا تھا، سامنے سے ایک کتا بھی اسی بٹیا پر آ گیا، اب وہاں اس کی ضرورت تھی کہ دونوں میں سے ایک کیچڑ میں اترے تو دوسرا بٹیا کے راستہ سے نکلے کیونکہ بٹیا پتلی تھی اور اس میں اتنی وسعت نہ تھی کہ دونوں برابر کو نکل جائیں چنانچہ شاہ صاحب کھڑے ہوگئے اور وہ کتا بھی سامنے کھڑا ہوگیا، پھر اشارات میں گفتگو شروع ہوئی (بعض اہل اللہ جمادات وحیوانات کی گفتگو سمجھ لیتے ہیں ۱۲) چنانچہ شاہ صاحب نے کتے سے کہا بھائی تم پانی میں اترو اس نے کہا کیوں مجھ میں اور آپ میں کیا فرق ہے، آپ کیوں نہیں اترتے اور یہ کہا افسوس! پہلے بزرگوں کا مذہب ایثار تھا اور اس وقت کے بزرگوں کا مذہب اختیار ہے، فرمایا نہیں تو نے بدگمانی کی بلکہ میں تجھ کو اترنے کے لیے اس لیے کہتا ہوں کہ تو مکلف نہیں ہے اور میں مکلّف ہوں اگر تو اس پانی اور کیچڑ سے ناپاک بھی ہوجائے گا تو تھوڑی دیر میں خشک ہوکر پھر پاک ہوجائے گا پھر تیرے ذمہ نہ وضو ہے نہ نماز اور میں اتروں گا تو مجھے سارے کپڑے اور بدن کا دھونا اور پاک کرنا لازم ہوگا جس میں بہت دیر لگے گی ممکن ہے نماز میں دیر ہوجائے۔ اس نے جواب دیا کہ بہت اچھا میرا تو کچھ حرج نہیں، میں پانی میں اترتا ہوں مگر یہ یاد رکھو کہ تمہارے کپڑے ناپاک ہوجائیں تو ایک دولوٹے پانی سے پاک ہوسکتے ہیں لیکن اگر میں اس وقت پانی میں اترا اور تمہارے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اس کتے سے افضل ہوں تو اس سے تمہارا قلب ایسا ناپاک ہوگا جس کی ناپاکی ہفت قلزم (۱) سے بھی نہ دھل سکے گی۔ یہ سن کر شاہ صاحب پر ایک حالت طاری ہوگئی اور فوراً پانی میں اتر کر راستہ سے ہٹ گئے اور کتا بٹیا پر سے چلا گیا اور آپ اس کے بڑے احسان مند ہوئے کہ اس کے ذریعے سے ایک علم عظیم عطا ہوا، اب شاہ صاحب پر غیب سے الہام ہوا کہ عبدالرحیم! خبر بھی ہے کہ ہم نے یہ علم عظیم کتے کے ذریعے کیوں دیا،

(۱) سات گہرے سمندروں سے۔

یاد کرو تم نے ایک دن ایک کتے کے بچے پر احسان کیا تھا کہ اس کو پانی سے نکال کر گرم پانی سے دھویا پھر آ کر آگ سے تاپا تھا تو ہم نے اس احسان کا آج بدلہ کر دیا ہے کہ اس کی ابن النوع کے ذریعے سے تم کو یہ علم عظیم عطا کیا تا کہ اس کتے کے بچہ پر اپنا احسان نہ سمجھیں۔

حق العبد کی فوقیت

ان علوم کی قدر صوفیہ ہی سمجھتے ہیں کہ ان کو ان میں ایسا مزہ آتا ہے کہ واللہ جب کوئی علم جدید عطا ہوتا ہے تو اس سے ایسا حظ (۱) آتا ہے کہ ہفت (۲) اقلیم کی سلطنت بھی اس کے سامنے گرد ہوتی ہے، غرض صوفیاء نے ایثار سے یہاں تک کام لیا ہے کہ جانوروں کے ساتھ بھی ایثار کیا۔ صوفیاء نے ہر مقام پر اس کی رعایت کی ہے اور بعض مقامات پر شریعت نے بھی اس کو واجب کیا ہے۔ چنانچہ حقوق نفس پر حقوق غیر کو مقدم کیا گیا ہے۔ بشرطیکہ اپنی ہلاکت اپنے اہل بیت کی پریشانی کا اندیشہ نہ ہو پس جہاں ایثار واجب ہے صوفیاء وہاں کیوں نہ کرتے وہ تو جہاں واجب بھی نہیں وہاں بھی اس کا بہت لحاظ رکھتے ہیں اور اس سے ان کو علوم حاصل ہوتے ہیں اور ان کو بڑا مزا ان علوم ہی میں آتا ہے مگر اب لوگ چاہتے ہیں ان سے دنیوی ترقی کرانا، بھلا اس کام کے کہاں

تابدانی ہر کرا یزداں بخواند از ہمہ کار جہاں بیکار ماند (۳)

صاحبو! جس کو ان علوم کا مزا حاصل ہوگیا وہ واقعی ہی دنیا کے کام کا نہیں رہتا۔ ہاں جو ایسے باہمت ہوں کہ دونوں کو جمع کر سکیں۔ جیسے ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وہ البتہ دونوں میں مشغول ہوتے ہیں اور ان کو دنیا کے مشاغل ان علوم سے مانع نہیں ہوتے بلکہ دنیا بھی ان کے ہاتھ میں دین بن جاتی ہے مگر ایسے بہت کم ہیں زیادہ تو ایسے باہمت نہیں ہوتے ان کا تو وہی حال ہوتا ہے۔

تابدانی ہر کرا یزداں بخواند از ہمہ کار جہاں بیکار ماند (۴)

(۱) مزہ (۲) ساری دنیا کی حکومت ملنا بھی اس کے سامنے حقیر ہے (۳) ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنا بنا لیتے ہیں اس کو تمام دنیا کے کاروبار سے بیکار کر دیتے ہیں'' (۴) ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنا بنا لیتے ہیں اس کو تمام دنیا کے کاروبار سے بیکار کر دیتے ہیں''۔

بہرحال لوگوں نے حقوق العباد سے بہت ہی غفلت کر رکھی ہے حالانکہ حق العبد کا تقدم معلوم ہوگیا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حق اللہ پر حق العبد کا تقدم بوجہ عظمت کے نہیں ہے بلکہ محتاج وحقیر کے حق کو کریم غنی نے اپنے حق پر مقدم کر دیا ہے کہ جب دونوں میں تعارض ہوتا ہے تو وہ فرما دیتے ہیں کہ ہمارے حق کو چھوڑ دو، ہمیں کچھ ضرورت نہیں اور بندے کے حق کو ادا کر دو وہ محتاج ہے۔ اگر اس کا حق ادا نہ ہوگا تو پیٹ پھاڑ کر مر جائے گا۔ یہ وجہ ہے تقدم کی۔ پس لوگوں کا تاکد حق کے سبب کو صرف عظمت میں منحصر کر دینا صحیح نہیں بلکہ حاجت بھی تاکد حق کا ایک سبب ہے جب سبب مرض کا میں نے ازالہ کر دیا تو اب مرض کا علاج سہل ہوگیا، پس بندہ کے حقوق کو اس کی حاجت کی وجہ سے ادا کرو اور جب میں نے آپ کے عذر کا جواب دے دیا تو حجت تام ہوگئی اب کسی کے پاس حقوق العباد سے غفلت کرنے کا کوئی عذر نہیں رہا۔ یہ تو ان لوگوں کی غفلت کا علاج تھا جو حقوق العباد کا بالکل ہی اہتمام نہیں کرتے۔

حق العبد کی اقسام

اب دوسری غلطی بعض لوگوں میں یہ ہے کہ وہ حق العبد کو صرف مال میں منحصر کرتے ہیں کہ چوری کرنا، غصب کرنا، قرض لے کر انکار کر دینا کسی کی امانت رکھ کر مکر جانا بس یہی جرم ہے ان کے علاوہ حق العباد میں اور کوئی جرم نہیں حالانکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حق العبد مال ہی میں منحصر نہیں بلکہ اور بھی حقوق ہیں اور وہ حقوق مالیہ کے برابر بلکہ ان سے بھی معظم ہیں۔ چنانچہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دریافت فرمایا کہ یہ کون سا دن ہے؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ادب کی وجہ سے عرض کیا ''اللہ ورسولہ اعلم'' فرمایا ''الیس یوم عرفہ'' کیا یہ عرفہ کا دن نہیں ہے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم عرض کیا ''بلیٰ'' بے شک یہ عرفہ کا دن ہے پھر پوچھا یہ کونسا مہینہ ہے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ادب سے وہی جواب دیا ''اللہ ورسولہ اعلم'' آپ نے فرمایا ''الیس ذی الحجہ'' کیا یہ حج کا مہینہ نہیں ہے۔ صحابہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا بیشک یہ حج کا مہینہ ہے پھر دریافت فرمایا یہ کونسا شہر ہے اس پر بھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ادب سے ''اللہ ورسولہ اعلم'' ہی کہا آپ نے فرمایا ''الیس بالبلدالحرام'' کیا یہ بلد حرام نہیں ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا بے شک یہ بلد حرام ہے اس تمہید کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا ان اموالکم ودمائکم واعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا من یومکم الی یوم القیامۃ (اوکما قال)(۱)

حقوق العباد کی تین اقسام

اس سے معلوم ہوا کہ حقوق العباد کی تین قسمیں ہیں۔ ایک حقوق نفس دوسرے حقوق مال تیسرے حقوق عرض، جب شریعت سے تین حقوق معلوم ہوتے ہیں تو آپ کو صرف مال میں حق العبد منحصر کرنے کا کیا حق ہے۔ صاحبو! جان کا بھی حق ہے آبرو کا بھی حق ہے مال کا بھی حق ہے۔ جان کا حق یہ ہے کہ کسی کو ناحق قتل نہ کرو خیر قتل تو اس بادشاہت میں بکثرت کون کرسکتا ہے اس کی طاقت تو یہاں کسی کو نہیں گو شاذ و نادر کبھی ایسا ہوجاتا ہے مگر وہ چھپ نہیں سکتا، فوراً مقدمہ قائم ہوکر پھانسی ہوجاتی ہے اس لیے اس سے سب ڈرتے ہیں ہاں یہ حق البتہ باقی ہے کہ کسی غریب کے دو چار ڈنڈے لگادیئے گو ہمارے قصبہ میں یہ حق بھی باقی نہیں رہا وہاں کسی کی مجال نہیں کہ جو کسی بھنگی کو مار سکے یا بیگار میں کام لے سکے۔ ہمارے بھائی کے ایک کارندہ ہیں حاجی جی، اب تو کارندگی سے انہوں نے استعفیٰ دیدیا ہے مگر جس زمانہ میں وہ کارندہ تھے اس زمانہ کا قصہ بیان کرتے تھے۔ ایک دن میں نے سڑک صاف کرنے والے بھنگی سے کہا کہ جب تو سڑک پر جھاڑو دیا کرے تو ذرا ہمارے دروازہ پر بھی جھاڑو دے دیا کر، تو وہ کیا کہتا ہے کہ حاجی جی! کنون (۲) تو ہے نہیں خیر تمہاری خاطر سے دے دیا کروں گا تو وہاں کے بھنگی بھی قانونی

(۱) ''سن لو! تمہارے اموال اور جانیں اور آبروئیں آج سے قیامت تک ویسی ہی حرام ہیں جیسے اس یوم معظم، شہر معظم اور بلد معظم میں حرام ہیں، ہمیشہ کے لیے ان کی حرمت ویسی ہے جیسی آج ہے'' الصحیح للبخاری فی کتاب الحج باب الخطبۃ ایام منی رقم: ۱۷۴۱، ۳/ ۵۷۴) (۲) قانون۔

ہیں۔ ہر شخص بجائے خود رئیس ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ وہاں کوئی رئیس نہیں (ہر شخص رئیس وہیں ہوتا ہے جہاں کوئی رئیس نہ ہو ۱۲) میں تو اس حالت سے بڑا خوش ہوں گو اپنی قوم کی حالت تنزل سے افسوس بھی ہوتا ہے کہ ان کی وقعت بھنگیوں دلوں میں بھی نہیں رہی مگر اس سے خوش ہوں کہ ان کے ہاتھ سے اب ظلم نہیں ہوسکتا۔ ریاست تو وہی اچھی ہے جس میں ظلم نہ ہو اور جس ریاست کا یہ نتیجہ ہو کہ غریبوں پر ظلم کیا جائے اس کے ہونے سے نہ ہونا اچھا۔ چنانچہ اب ہمارے قصبہ میں زوال ریاست سے یہ بات تو ہوگئی کہ کوئی کسی پر ظلم نہیں کرسکتا اور جو کوئی کسی کو کچھ کہتا ہے تو جواب میں دس باتیں وہ ان کو سنا لیتا ہے، پس ظالمانہ ریاست سے ان کی یہی حالت اچھی ہے ان کو اگر تھوڑی سی ریاست ملتی ہے تو چوگنا ظلم کرتے ہیں۔

کان پور کے ضلع میں ایک قصبہ ہے ''بارہ'' وہ پٹھانوں کی بستی ہے وہاں کے پٹھان بہت شریف ہیں مگر آخر تو رئیس ہیں کبھی کسی غریب کو کچھ کہہ بھی لیتے ہیں ایک پٹھان نے کسی جُلاہے سے تمسخراً پوچھا کہ میاں جی! کس حال میں ہو، کہا خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں کہ خدا نے مجھ کو جُلاہا بنادیا جس سے مجھ کو کوئی کچھ کہہ لیتا ہے کوئی دو چار ڈنڈے لگادیتا ہے تو قیامت کے دن مجھے کسی کی نماز ملے گی کسی کے روزے ملیں گے، پٹھان نہیں بنایا اگر پٹھان ہوتا تو قیامت میں دوسرے لوگ میرے سب اعمال لے جاتے اور میں مفلس بن کر کھڑا رہ جاتا تو میں اس بات پر خدا تعالیٰ کا بہت شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے پٹھان نہ بنایا، یہ جواب سن کر کوئی دوسرا ہوتا تو نہ معلوم اس جُلاہے کی کیا گت بناتا مگر وہاں کے پٹھان شریف ہیں، انہوں نے کچھ نہیں کہا برا نہ مانا۔

بدعت وسنت

ان لوگوں کی شرافت کا ایک اور اس سے بھی زیادہ عجیب قصہ ہے وہ یہ کہ میں کئی سال ہوئے ایک دفعہ کان پور گیا تھا تو مجھے معلوم ہوا کہ نواح کان پور میں بعض دیہات کے نومسلم راجپوت مرتد ہونے والے ہیں۔ آریہ ان کو بہکا رہے ہیں تو میں نے اپنے احباب میں سے کچھ علماء اور رؤسا کو ساتھ لیا اور موضع گجنیر میں قیام کیا جو سب دیہات میں بڑا گاؤں تھا پھر وہاں سے دو دو تین تین عالموں کو متفرق دیہات میں تبلیغ

کے لیے بھیجا گیا اور ان کے چودھریوں کو بلایا اور کہا کہ بھائی ہم نے یہ سنا ہے کہ تم آریہ ہونے والے ہو اگر کوئی شبہ اسلام میں ہو رفع کرلو، ایک نے جواب دیا کہ ہم آریہ کیوں ہوتے، ان کے یہاں تو نیوگ کا بڑا فحش طریقہ ہے جسے کوئی شریف ہرگز گوارہ نہیں کرسکتا پھر ہم نے کہا کہ ہاں بھائی بس تم مسلمان ہی رہنا وہ کہنے لگے کہ ہم مسلمان بھی نہیں ہوتے ہم تو نومسلم ہی اچھے رہیں گے، میں نے کہا اچھا تم نومسلم ہی رہو پھر باتوں باتوں میں ان سے پوچھا گیا تم ہماری طرح مسلمان کیوں نہیں ہوتے تو کہنے لگے اصل بات یہ ہے کہ ہم تمہاری طرح مسلمان ہوجائیں تو ڈر یہ ہے کہ ہمیں تم میں سے کوئی اپنی لڑکی نہ دے گا نہ ہماری لڑکی لے گا اس لیے ہم تمہارے ساتھ بھی نہیں مل سکتے اور نہ آریوں کے ساتھ ملیں گے۔ اس جواب پر میں ذرا خاموش ہوا تھا کیونکہ اس کا وعدہ میرے اختیار سے باہر تھا، خدا بھلا کرے قصبہ بارہ کے پٹھانوں کا وہ بھی خبر سن کر آ گئے تھے ان میں سے ایک رئیس کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ صاحبو! تم بے فکر رہو تم کو ہم اپنی بیٹیاں دیں گے اور تمہاری لڑکیاں لیں گے گو اس سے برادری میں ہماری ذلت ہوگی مگر اسلام کی وقعت وخدمت کے لیے ہماری جان وآبرو سب فدا ہیں، میں اس جواب سے بڑا خوش ہوا اور ان کو بہت دعا دی کہ شاباش!

ایں کار زار تو آید مرداں چنیں کنند(۱)

مگر یہاں آکر چودھری لاجواب تو ہوگیا لیکن اپنی حالت کے بدلنے پر آمادہ نہ ہوا۔ معلوم ہوگیا کہ یہ بات اس نے محض شرارت کی راہ سے کہی تھی جس سے ہم کو صرف لاجواب کرنا مقصود تھا اور حقیقت میں ان لوگوں کو اپنی حالت کا بدلنا منظور نہیں وہ اپنے اسی طرز میں خوش ہیں دراصل وہ مسلمان بھی برائے نام ہی ہیں۔ حالت ان کی یہ ہے کہ ان کے نام ہندوؤں جیسے ہیں چنانچہ ایک چودھری کا نام نتوسنگھ تھا اور دوسرے چودھری کا نام ادھار سنگھ تھا۔ یہ بہ نسبت پہلے کے ذرا سمجھدار تھا بڑے چودھری سے کہا گیا کہ تجھے کلمہ بھی آتا ہے کہنے لگا ہاں آتا ہے کہا گیا سناؤ تو کہنے لگا کہ بس سنو مت گاؤں

(۱) ''یہ کام تم سے ہوا اور مردان خدا ایسا ہی کرتے ہیں''

کے لوگ یوں کہیں گے کہ بڈھا سٹھیا گیا جو کلمہ پڑھتا ہے ان کو کلمہ پڑھنے سے بھی رکاوٹ تھی۔ وہ ایسے مسلمان تھے بس چند باتیں ان میں اسلام کی موجود تھیں۔ ایک تو وہ ختنہ کراتے تھے، دوسرے مردوں کو دفن کرتے تھے، تیسرے نکاح قاضی سے پڑھواتے تھے مگر ساتھ ہی ہندوؤں کی طرح پھیرے بھی کرتے تھے اور ایک یہ بات ان میں اسلام کی تھی کہ محرم میں تعزیہ بناتے تھے اور اس کو اتنا بڑا شعار سمجھتے تھے کہ ادھار سنگھ نے یوں کہا تھا کہ ہم آریہ کیسے بنت۔ ہمارے یہاں تو تاجیہ (تعزیہ) بنت ہے میں نے یہ سن کر کہا کہ دیکھو تعزیہ مت چھوڑنا کہنے لگے اجی بھلا اسے ہم کب چھوڑنے لگے۔ بعض علماء کو میری اس بات پر خیال ہوا کہ اس نے ایک بدعت کی، مسلمانوں کو اجازت دی میں نے کہا بس چپکے بیٹھے رہو یہ کانپور اور لکھنؤ میں ہی شرک و بدعت ہے مگر یہاں فرض ہے کیونکہ اس جگہ تعزیہ ہی ان لوگوں کے دین کا وقایہ ہے ابھی تو ان لوگوں کا تعزیہ بناتے رہنا ہی ان کے اسلام کا محافظ ہے۔ پھر جب رفتہ رفتہ یہ پکے مسلمان ہوجائیں گے اس وقت بدعت وسنت کی تعلیم دے دینا۔ ہمارے ایک دوست نے عجیب بات کہی میں نے اسے کہا کہ کالج علی گڑھ میں مولود شریف ہوا کرتا ہے جو کہ بدعت ہے وہ دوست فرمانے لگے کہ یہ مولود شریف (بہیئۃ معروفہ) اور جگہ تو بدعت مگر کالج میں جائز واجب ہے کیونکہ اس بہانہ سے کبھی وہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر شریف اور آپ ﷺ کے فضائل ومعجزات سن لیتے ہیں تو اچھا ہے اسی طرح حضور ﷺ کی عظمت ومحبت ان کے دلوں میں قائم رہے ورنہ وہ تو سال بھر ایسی خرافات میں مبتلا رہتے ہیں کہ بھول کر بھی خدا ورسول کا نام ان کی زبان پر نہیں آتا مجھے ان کی یہ بات پسند آئی کیونکہ واقعی اگر کسی جگہ بدعت ہی لوگوں کے دین کی حفاظت کا ذریعہ ہوجائے تو وہاں اس بدعت کو غنیمت سمجھنا چاہیے جب تک کہ ان کی پوری اصلاح نہ ہو۔ غرض بارہ کے پٹھان بڑے شریف ہیں اور ان کی شرافت ہی ہے کہ اس جولاہے کا جواب ناگوار نہ ہوا ورنہ کوئی دوسرا ہوتا تو خوب مرمت کرتا مگر واقعی بڈھے نے بات سچی کہی کہ اللہ کا شکر ہے جو میں جولاہا ہوگیا، پٹھان نہ ہوا ورنہ پھر میں ظلم کرتا اور لوگ میرے نیک اعمال چھین لیتے سو ہمارے

قصبہ میں تو یہ ریاست اب نہیں رہی کہ کوئی کسی کے ڈنڈے لگا سکے، گو تھوڑا سا کہیں ہو بھی جاتا ہے مگر پھر کم ہے جس سے میں خوش ہوں لیکن اور قصبات میں جہاں تھوڑی بہت ریاست ہے وہاں اس قسم کا ظلم زیادہ ہوتا ہے اور افسوس یہ ہے کہ اس سے غرباء بھی بچے ہوئے نہیں ان میں بھی بہت تکبر ہوتا ہے گو امیروں کے برابر دوسرے نہ ہو مگر اینٹھ مروڑ ان میں بھی ہے چنانچہ خود اقرار کرتے ہیں کہ کوئی مال مست ہے کوئی کھال مست اور یہ بہت سخت بات ہے۔

عنداللہ قابل نفرت لوگ

حدیث میں ہے کہ اللہ کو تین شخصوں سے بہت زیادہ بغض ونفرت ہے ایک ملک کذاب (۱)، بادشاہ جھوٹ بولنے والا کیونکہ آدمی اس لیے جھوٹ بولا کرتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے اپنا کام نکالے اور اس کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں کوئی اپنے سے زیادہ زبردست ہو جس کے سامنے سچ بولنے سے کچھ اندیشہ ہوتا ہے تو بادشاہ سے اوپر تو کوئی نہیں ہوتا، اس کو جھوٹ بولنے کی کیا مار آئی، دوسرے ''شیخ زانی'' یعنی بڈھا زنا کار کیونکہ جوان میں تو ایک داعی زنا کا موجود ہے جس کا روکنا ہمت کی بات ہے مگر بڈھے میں تو وہ داعی بھی موجود نہیں یہ تو زبردستی اپنے نفس کو سوچ سوچ کر آمادہ کرے گا تو اس کا زنا کرنا محض حرص اور خباثت وشرارت ہی ہے۔ تیسرا عائل متکبر یعنی غریب تکبر کرنے والا کیونکہ امیر کے پاس تو تکبر کا کچھ سامان بھی ہے اور یہ خواہ مخواہ فرعون بے سامان بنا ہوا ہے، غرض جس شخص میں جس گناہ کا سبب اور داعی موجود ہے اس کا جرم اس شخص سے کم درجہ کا ہے جس میں کوئی سبب اور داعی (۲) موجود نہیں اس لیے غریبوں کا تکبر امیروں کے تکبر سے اشد ہے۔ مگر حالت یہ ہے کہ غریب بھی اپنی کھال میں ایسے مست ہیں جہاں ان کا بس چلتا ہے وہاں یہ بھی دوسروں کی ایذاء (۳) رسانی سے نہیں چوکتے۔ ہمارے قصبہ میں ایک رئیس کے یہاں تقریب ہوئی تھی جس میں بہت کچھ سامان کیا گیا

(۱) جھوٹ بولنے والا بادشاہ (۲) ابھارنے والا (۳) تکلیف دینے سے باز نہیں آتے۔

تو برادری کے ایک غریب شریف زادہ نے اس کی آبروہی(۱) بہانا چاہی اور سوچتے رہے کہ کسی بات پر موقع ملے تو اس کی خوشی میں کنڈت(۲) ڈالوں مگر وہاں ایسا عمدہ انتظام تھا کہ کسی بات میں ان کو بولنے کا موقع نہ ملا۔ اتفاق سے سقہ(۳) پانی کی مشک لیے ہوئے ان کے پاس سے گزرا اور مشک کی ایک باریک دھار سے کچھ چھینٹے ان کے کپڑوں پر پڑ گئے بس یہ کہاں تھے، فوراً جھلا کر کھڑے ہو گئے اور رئیس کو برا بھلا کہنا شروع کیا کہ نو آموز دولت ہے(۴)، انتظام کا سلیقہ تھا، برادری کے بھائیوں کے سامنے سقوں کو نکالا جاتا ہے جس سے سب کے کپڑوں میں چھینٹے پڑتے ہیں اور ان کو ذلیل کیا جاتا ہے ہم ایسے اوچھے کی تقریب میں شریک نہیں ہو سکتے یہ کہہ کر چلتے ہوئے۔ پھر اس رئیس بیچارہ نے ان کی خوشامد کی، ٹوپی اس کے پیروں میں ڈالی جب آپ تشریف لائے کیونکہ مقصود یہی تھا کہ ذرا اس کو ذلیل کر دیں اور اپنے پیروں میں اس کی ٹوپی ڈلوائیں مگر یہ اینٹھ مروڑ بھی اس کی بدولت تھا کہ جانتے تھے وہ ہماری خوشامد کرے گا، آگے ہاتھ جوڑے گا اس لیے اس پر ناز تھا اور اس رئیس کی یہ تواضع بھی ریاست ہی کی بدولت تھی کیونکہ رؤساء جانتے ہیں کہ ہماری شان اتنی بڑی ہے جو ایسی باتوں سے نہیں گھٹتی پس غربا میں بھی تکبر اور ایذاء رسانی کا مرض موجود ہے اس لیے میں اب اہل دولت کا لفظ چھوڑ کر ''اہل قدرت'' کہوں گا تو جس کو جتنی بھی قدرت حاصل ہے اس میں وہ دوسرے کی جان پر دست اندازی کرنے سے باک(۵) نہیں کرتا گو زیادہ دست اندازی(۶) رؤساء ہی کے ہاتھ سے ہوتی ہے کیونکہ ان کو قدرت زیادہ ہے، غریب آدمی کسی پر زیادتی کرتا ہے تو دوسرا اس کا بدلہ لے سکتا ہے اور امراء پر اول تو غرباء نالش(۷) نہیں کر سکتے کیونکہ اس کے لیے روپیہ کی ضرورت ہے اور غریبوں کے پاس اتنا روپیہ کہاں اور اگر نالش کریں بھی تو کامیابی دشوار ہے کیونکہ حکام بھی امراء کی رعایت کرتے ہیں بس وہی حال ہو جاتا ہے۔

ہم نے سوچا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد
وہ بھی کمبخت ترا چاہنے والا نکلا

(۱) اس کی بے عزتی کرنی چاہی (۲) خرابی پیدا کروں (۳) ماشکی (۴) نئی نئی دولت ملی ہے (۵) دوسرے کو تکلیف پہنچانے سے چوکتا نہیں (۶) زیادہ تر رؤساء ہیں ایسا کرتے ہیں (۷) مقدمہ۔

خصوصاً حکومت غیر عادلہ میں تو امراء کی بہت ہی رعایت ہوتی ہے۔

حکومت عادلہ کی مثال

ہاں حکومت عادلہ (۱) ہوتو وہاں کسی کی پرواہ نہ ہوگی چاہے کوئی کتنا ہی امیر اور مالدار ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جبلۃ الایہم شاہ غسان اسلام لایا تھا۔ حضرت عمرؓ کو اسکے اسلام سے خوشی ہوئی تھی کیونکہ بادشاہ کے مسلمان ہونے سے اس کی رعیت کے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوجاتے ہیں۔ دوسرے اس سے مخالفین پر بھی رعب پڑتا ہے مگر اس خوشی کا یہ اثر نہ تھا کہ جبلہ کی ایسی رعایت کی جاتی کہ وہ جس پر چاہے ظلم کرنے لگے اور کچھ باز پرس نہ ہو چنانچہ ایک مرتبہ جبلہ لنگی باندھے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کررہا تھا، لنگی باندھنا اہل عرب کا عام شعار تھا، بادشاہ اور غریب سب لنگی باندھتے تھے تو اس وقت اتفاق سے کسی غریب کے پیر سے جبلہ کی لنگی کا کونہ دب گیا، جبلہ نے جو قدم آگے بڑھایا دفعتہ لنگی کھل گئی، غصہ سے سرخ ہوگیا اور اس غریب مسلمان کے بڑی زور سے طمانچہ مارا اس کا دانت ٹوٹ گیا، اس نے جبلہ کو تو کچھ نہ کہا سیدھا حضرت عمرؓ کے اجلاس میں جاکر دعویٰ دائر کردیا۔ حضرت عمرؓ نے جبلہ کو بلایا اور پوچھا کہ تو نے اس مسلمان کو طمانچہ مارا ہے اس نے اقرار کیا آپ نے مدعی سے فرمایا کہ تم جبلہ سے قصاص لے سکتے ہو جبلہ نے کہا اے امیر المؤمنین اس بازاری کو مجھ جیسے بادشاہ کے برابر کس چیز نے کردیا جو اس کو مجھ سے قصاص لینے کا حق حاصل ہوگیا۔ آپؓ نے فرمایا اسلام نے تم دونوں کو برابر کردیا، جبلہ نے کہا اچھا مجھے کل تک کی مہلت دی جاوے میں کل قصاص دیدوں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں مہلت نہیں دے سکتا یہ مدعی کا حق ہے اگر وہ چاہے مہلت دے یا نہ دے بیچارہ غریب آدمی ذرا سی بات پر پسیج جاتا ہے (۲)۔ مدعی نے کہا کہ مجھے کل تک کی مہلت دینا منظور ہے پھر رات کو وہ کمبخت چپکے سے نکل کر بھاگ گیا اور مرتد ہوکر نصرانیوں سے جاملا مگر (حضرت عمرؓ کو ذرا بھی پرواہ نہ ہوئی اور نہ اسلام کو جبلہ کے ارتداد سے کچھ نقصان پہنچا بلکہ حضرت عمرؓ اس کی رعایت کرتے

(۱) انصاف کرنے والی (۲) نرم پڑجاتا ہے۔

تو اس سے بیشک اسلام کو ضرر پہنچتا۔ کیونکہ عقلاء کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ اسلام میں ضعیف کا حق قوی سے نہیں دلایا جاتا بلکہ زبردستوں کی رعایت کی جاتی ہے اور یہ خلاف عدل ہے اور اب تو گو ظاہر میں ایک جبلہ اسلام سے نکل گیا مگر عدل اسلامی کی نظیر تمام دنیا کے سامنے قائم ہوگئی اور سب کو معلوم ہوگیا کہ قانون اسلام میں کوئی زبردست کسی کمزور کا حق نہیں دبا سکتا جس سے ہزاروں لاکھوں آدمی عدل اسلامی کے شیدا بن گئے ۔ ۱۲ جامع)اور تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں جبلہ بھی اپنے ارتداد پر بہت پچھتاتا تھا اور باوجودیکہ نصرانیوں میں اس کی بڑی عزت اور آؤ بھگت ہوتی تھی اور ہر قسم کے سامان عیش اس کے لیے مہیا تھے مگر بعض دفعہ وہ رو کر یہ کہتا تھا کہ اے کاش میں اس دن قصاص کو گوارا کر لیتا تو وہ میرے لیے اس عزت سے ہزار درجہ بہتر ہوتا۔ اسلام واقعی ایسی چیز ہے کہ اس کو چھوڑ کر کبھی چین نہیں مل سکتا تو جہاں حکومت مسلمہ عمریہؓ ہو وہاں کسی رئیس یا بادشاہ کی کسی غریب کے مقابلہ میں کچھ رعایت نہ ہوگی۔

وسعت اختیار کا اثر

میں مسلمانوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اگر کوئی بڑا ہندو یا عیسائی مسلمان ہو جایا کرے تو اس کو نچاتے نہ پھرا کرو وہاں اس کی خدمت اور خاطر کرو بلکہ ایسی دھوم دھام نہ کیا کرو، جس سے کسی کو عجیب بات معلوم ہو کیونکہ کوئی رئیس ہو، بادشاہ ہو جو کوئی بھی اسلام لاتا ہے اپنی نجات اور اپنی فلاح کے لیے لاتا ہے، مسلمانوں پر کیا احسان کرتا ہے یہ تو جملہ معترضہ تھا میں کہہ رہا تھا کہ حضرت عمرؓ جیسی حکومت ہو تو خیر ورنہ غیر عادل حکومتوں کی یہی حالت ہے کہ ان میں رؤسا وامراء کی غریبوں کے مقابلہ میں بہت رعایت کی جاتی ہے تو غرباء نالش (۱) کر کے بھی مال داروں سے انتقام نہیں لے سکتے۔ اس لیے مال داروں کے ہاتھ سے مخلوق کی جان پر زیادہ ظلم ہوتا ہے اور ایک ظلم حکام کے ہاتھ سے یہ ہوتا ہے کہ کسی کے دو چار بید یں (۲) بلاوجہ لگوادیں ان کی تو کون نالش کرتا ہے اور بعضے اس طرح ظلم نہیں کرتے تو یوں کرتے ہیں کہ مقدمہ میں ایک فریق

(۱) مقدمہ کر کے (۲) ڈنڈے پڑوادئے

سے رشوت لے کر کسی کا حق ضائع کر دیا ، ایک ڈپٹی صاحب کی یہ حالت تھی کہ دونوں فریق سے رشوت لے لیا کرتے تھے مگر ان سے سب خوش تھے بلکہ ایماندار مشہور تھے کیونکہ جس فریق کے خلاف وہ فیصلہ کرتے تھے ان کی رشوت واپس کر دیا کرتے تھے اور بعضے یہ کرتے ہیں کہ جس نے زیادہ رشوت دیدی اس کے موافق فیصلہ کر دیا اور دوسرے کی رقم بھی ہضم کر لی مقدمہ تو حاکم کے ہاتھ میں ہوتا ہے جس کے چاہے موافق کر دے حاکم کو مقدمہ کا بدلنا کیا مشکل ہے ، ہیر پھیر کر جس طرح چاہے بنادے۔ اسی وسعت خیال پر نظر کر کے میں مسلمانوں کو کہا کرتا ہوں کہ حکام وقت کو ناراض نہ کرو یہ طریقہ بہت مضر ہے(۱) اس پر بعض نوجوان کہا کرتے ہیں کہ ہم تو جو کچھ کرتے ہیں قانون کے اندر کرتے ہیں، خلاف قانون کچھ نہیں کرتے پھر حکام کیا کر سکتے ہیں؟ میں نے کہا کہ حکام کو تمہاری نیت تو معلوم ہے جب وہ یہ جانیں گے کہ یہ لوگ ہم کو ناراض اور تنگ کرنے کے لیے یہ حرکت کر رہے ہیں تو قانون ان کے ہاتھ میں ہے جس بات کو تم خلاف قانون نہیں سمجھتے ہو وہ اس کو بھی کسی ترکیب سے خلاف قانون کر دیں اور شریعت کا امر ہے۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ(۲) کہ اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو تو ایسا کام نہ کرنا چاہیے جس میں حاکم کی ناراضی ہو کیونکہ اس کا انجام قریب بہ ہلاکت ہے اور مدت دراز تک مسلمانوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے اور ایسے خطرات سے حفاظت نفس شرعاً(۳) مطلوب ہے مگر اتنا فرق ہے کہ عوام تو اپنی جان سمجھ کر اپنے نفس کی حفاظت کرتے ہیں اور اہل اللہ خدا کی امانت سمجھ کر حفاظت کرتے ہیں کہ اس کو خلاف منشاء حق صرف نہ کیا جاوے (اس لیے عارف ایسے موقع میں جہاں شریعت نے حفاظت نفس کا حکم دیا ہو اپنی جان کی بہت حفاظت کرتا ہے گو عوام اس کو بزدلوں وڈرپوک کہیں اور جہاں شریعت نے بزل نفس (۴) کا حکم دیا ہو وہاں اہل اللہ سے زیادہ جانبازی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا ۲۱ جامع) تو دو طبقے تو یہ

(۱) نقصان دہ (۲) سورۃ البقرہ: ۱۹۵ (۳) اپنے کو بچانا شرعاً ضروری ہے (۴) جان قربان کرنے کا حکم دیا ہو۔

ہیں جو ظلم میں زیادہ بدنام ہیں یعنی رؤسا اور حکام۔

زیادتی کی تلافی کی صورت

ایک طبقہ اور ہے میانجیوں (۱) کا یہ بچوں کے ساتھ بہت ظلم کرتے ہیں ان کو جب کسی بچہ پر غصہ آتا ہے تو قہر عام (۲) کی طرح سب پر برستا ہے کہ ایک طرف سے سب کی خبر لیتے چلے جاتے ہیں اس سے میاں جی بہت کم بچے ہوئے ہیں۔ ہاں اگر کوئی ایسا ہو جیسے حافظ علی حسن صاحب کیرانوی مقیم گنگوہ تھے تو بیشک وہ اس ظلم سے بچ سکتا ہے مگر ان میں افراط نہ تھا تو یہ تفریط تھی کہ بچوں کو مار کر ان سے کہتے تھے کہ تم مجھ سے بدلہ لے لو اور بعضے لڑکے ایسے شریر تھے کہ بدلہ بھی لے لیتے اور حافظ جی کو قینچی سے سڑاسڑ مارتے تھے اور وہ ایسے سیدھے تھے کہ بچوں کے ہاتھ سے مار کھالیتے تھے ان کے سیدھے پن کی یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ سقے (۳) کہیں بارات میں چلے گئے اور کئی روز تک محلہ والوں کو پانی کی تکلیف رہی تو آپ اپنے لڑکے سے فرماتے ہیں کہ ارے سعید تو ہی ایک مشک بنالے اور گھروں میں پانی بھر دیا کر حافظ جی تو پرانے زمانے کے آدمی تھے ان کو تو باوجود سیدزادے اور شریف ہونے کے ایسے کاموں سے عار نہ تھا مگر ان کے صاحبزادے بڑے خفا ہوئے کہ لو ابا جان تو ہمیں سقہ بنانا چاہتے ہیں۔ غرض وہ بڑے سیدھے تھے اور نیک بھی بہت ہی تھے، نماز تو ایسی اچھی پڑھتے تھے کہ سبحان اللہ بڑی لمبی نماز پڑھتے تھے اور ہر رکن کو اعتدال وآرام سے اطمینان کے ساتھ ادا کرتے تھے مگر عدم علم کی وجہ سے وہ جماعت میں بھی ایسی ہی تطویل کرتے تھے جس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ بہرحال وہ تو ایک میاں جی ہم نے ایسے دیکھے ہیں جو بچوں پر ظلم نہ کرتے تھے اور کبھی ذرا سی زیادتی ہوگئی تو اس کی تلافی اس طرز سے کرتے تھے گو یہ طریقہ اچھا نہیں اس سے لڑکوں کی شرارت اور بددماغی اور بدخلقی بڑھ جاتی ہے اور معلم کو اس کی رعایت بھی ضروری ہے، بچوں کے اخلاق خراب نہ ہوں تو اب اگر کوئی اپنی

(۱) بچوں کو قرآن پڑھانے والے حافظ (۲) عام عذاب کی طرح (۳) ماشکی

زیادتی کی تلافی کرنا چاہے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ سزا کے بعد بچوں کے ساتھ شفقت کرو اور جس پر زیادتی کی ہے اس کے ساتھ احسان کرو یہاں تک کہ وہ خوش ہوجائے جیسے میرٹھ کے ایک رئیس نے ایک غریب نوکر کے طمانچہ ماردیا تھا پھر اس کو اپنی غلطی پر تنبہ ہوا(۱) تو اس کو ایک روپیہ دیا پھر دوسرے نوکر سے کہا کہ اس سے پوچھنا اب کیا حال ہے، کہنے لگا میں تو دعا کررہا ہوں کہ ایسا طمانچہ روز لگ جایا کرے۔ بس یہ طریقہ تلافی کا بہت اچھا ہے اس سے بچوں کے اخلاق پر بھی برا اثر نہ ہوگا اور ظلم کا دفعیہ بھی ہوجائے گا اور جب میاں جی کا ایک دو دفعہ کرنے میں کچھ خرچ ہوگا تو آئندہ کو وہ خود بھی ذرا سنبھل کر مارا کریں گے، نیز سزا کے بعد بچوں کو خوش کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ ان کے دل میں معلم سے بغض وعداوت نہ پیدا ہوجاوے جو علم سے محرومی کا سبب ہے اس راز کو ایک رئیس نے سمجھا تھا۔

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہورہی ہے (ایک رئیس کا قصہ)۔

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی

ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاہور

حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ ہٰذا کے ملکی و بیرونی اسفار

- **21 فروری:** لاہور پنجاب قرآن بورڈ کے اجلاس میں شرکت فرمائی اور قرآن کی بورڈ کی جانب سے بحمد اللہ مستند متن قرآن پاک کی تیاری آپ کے سپرد فرمائی گئی۔
- **22 فروری:** مدرسہ اشرف العلوم گوجرانوالہ طلباء تجوید و قراءات کا امتحان لیکر سندات عطاء فرمائیں۔
- **23 فروری:** ریڈیو پاکستان لاہور میں قرآن کریم کی تلاوت ریکارڈ کروائیں۔
- **24 فروری:** مدرسہ عبد اللہ بن مسعودؓ مرغزار کالونی کے طلباء قراءاتِ سبعہ کا امتحان لیا۔
- **28 فروری:** چیمبر آف کامرس لاہور میں مسابقہ حسنِ قراءات میں ججمنٹ فرما کر پوزیشن ہولڈر طلباء کو انعامات سے نوازا۔
- **3 مارچ:** گوجرانوالہ چیمبر آف کامرس میں عالمی محفل حسن قراءۃ میں تلاوت کی اور مصری قراء کرام سے ملاقات کی۔
- **4 تا 8 مارچ:** کراچی کے مدارس مدرسہ خلفاء راشدین، جامعہ فاروقیہ، ادارہ معارف القرآن میں منعقدہ مسابقہ حفظ القرآن کی ججمنٹ کی اور پوزیشن ہولڈرز کو انعامات سے نوازا۔
- **9 مارچ:** بٹ خیلہ سوات مسابقہ حفظ القرآن کی ججمنٹ فرمائی۔
- **10 مارچ:** کوٹ مؤمن سرگودھا قاری منیر احمد صاحب اور مولانا محمد اسلم عثمانی صاحب فاضلان جامعہ ہٰذا کے مدرسہ میں طلباء سے ملاقات کی۔
- **11 مارچ:** راوی بلاک کی شاخ میں تکمیل قرآن کریم کی تقریب میں طلباء کو آخری سبق مکمل پڑھوایا۔

❁ 12 مارچ: روڈ وسلطان جھنگ مولانا عادل صاحب کے مدرسہ میں حفاظ کرام کی دستار بندی فرمائی اور تلاوتِ قرآن پاک وخصوصی خطاب فرمایا۔

❁ 13 مارچ: لکی مروت تترخیل مولانا قاری محمد عثمان صاحب فاضل جامعہ ہٰذا کے مدرسہ میں عالمی محفل قراءۃ میں تلاوت فرما کر تکمیل حفظ اور تجوید میں کامیاب طلباء کی دستاد بندی فرمائی اور مصری قراء کرام اور علاقہ کے ممتاز علماء کرام سے خصوصی ملاقات فرمائی۔

❁ 15 مارچ: خیابان جناح لاہور جامعہ اسلامیہ رحمانیہ ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی کی دعوت پر عالمی محفل قراءۃ میں تلاوت اور مصری قراء کرام سے خصوصی ملاقات۔

❁ 16 مارچ: چکلالہ راولپنڈی محترم ہارون صاحب کی دعوت پر ایک تقریب میں شرکت۔

❁ جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کے لیے یہ بڑا اعزاز ہے کہ حکومت سعودیہ نے عالمی مسابقہ حسن قراءت کی ججمنٹ کے لیے مہتمم جامعہ ہٰذا حضرت ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی صاحب کا انتخاب فرمایا ہے چنانچہ 17 مارچ کو بین الاقوامی مسابقہ حسن قراءۃ سعودی عرب ریاض میں ججمنٹ کے لیے اسلام آباد سے حضرت کی روانگی ہے عمرہ اور زیارتِ مدینہ منورہ کے بعد ریاض تشریف لے جائیں گے 21 مارچ کو ججمنٹ فرمائیں گے اس سفر میں ان شاء اللہ رمضان المبارک کے دوعشرہ مدینہ منورہ حرمِ نبوی ﷺ میں قیام فرمائیں گے اور 19 اپریل مسابقہ کی اختتامی تقریبِ انعامات میں شرکت فرما کر 22 اپریل کو پاکستان واپسی ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ضروری وضاحت:

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کا اکاؤنٹ نمبر

0110-557-7 یو۔بی۔ایل لٹن روڈ برانچ لاہور (برانچ کوڈ 1007)

پرانی انارکلی بوجوہ ختم کر دیا گیا۔

لہٰذا احباب سے درخواست ہے کہ آئندہ رقوم پنجاب بینک کریم بلاک اکاؤنٹ نمبر 6010049533100010 میں بھیجی جائے۔

دی بینک آف پنجاب کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور برانچ کوڈ (0060)